٤١

حٰمٓ السّجدة

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

اس سورہ کا بھی اصل مضمون سابق سورہ کی طرح توحید ہی ہے۔ اس میں توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں اور ان لوگوں کو انذار بھی کیا گیا ہے جو قرآن کی دعوتِ توحید کی مخالفت کر رہے تھے۔ ساتھ ہی ان ایمان والوں کو ابدی کامیابی کی بشارت دی گئی ہے جو مخالفوں کی تمام مخالفانہ سرگرمیوں کے علی الرغم، توحید پر استوار رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تمہارے دشمن خواہ کتنا ہی جاہلانہ رویہ اختیار کریں لیکن تم ان کی جہالت کا جواب صبر و بردباری سے دینا۔ یہی طریقہ بابرکت اور اسی میں تمہاری دعوت کی کامیابی مضمر ہے۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

(۱ - ۸) سورہ کی تمہید، جس میں یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ خدائے رحمان و رحیم نے اہلِ عرب پر یہ عظیم احسان فرمایا کہ قرآن کو عربی زبان میں ان کے لیے نذیر و بشیر بنا کر اتارا۔ اس احسان کا حق یہ تھا کہ لوگ اس کی قدر کرتے لیکن یہ نہایت رعونت سے اس نعمت کو ٹھکرا رہے ہیں اور ایمان لانے کے بجائے اس عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں جس سے ان کو ڈرایا جا رہا ہے۔ ان کے اس مطالبہ کے جواب میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ ان کو بتا دو کہ مجھے جس توحید کی وحی ہوئی تھی وہ میں نے تم کو پہنچا دی، رہا عذاب کا معاملہ تو یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں ایک بشر ہوں، خدا نہیں ہوں۔

اہلِ ایمان کو استغفار و استقامت کی تلقین اور اجر دائمی کی بشارت اور مشرکین کو ابدی تباہی کی وعید جو ایمان و انفاق کے بجائے محض اپنے مزعومہ شفعاء کے بل پر آخرت سے بالکل بے فکر بیٹھے تھے۔

(۹ - ۱۲) اس کارخانۂ کائنات میں جو قدرت و حکمت، جو رحمت و ربوبیت، اور جو نظم و اہتمام کارفرما ہے وہ شاہد ہے کہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل یا مختلف دیوتاؤں کی بازی گاہ یا رزم گاہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک خدائے عزیز و علیم کی منصوبہ بندی سے وجود میں آیا ہے اس وجہ سے جو لوگ شرکاء و شفعاء کے بل پر خدا اور آخرت سے غافل ہیں وہ صرف اپنی شامت کے منتظر ہیں۔

(۱۳ - ۱۸) قریش کو تہدید و وعید کہ اگر تم رسول کی دعوت کی تکذیب ہی پر تل گئے ہو تو رسولوں کی تکذیب کرنے والی

قوموں کے انجام سے دوچار ہونے کے لیے بھی تیار رہو جاؤ۔ تم سے پہلے عاد و ثمود نے بھی تمھاری ہی روش اختیار کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے عذاب نے ان کو تباہ کر دیا اور یاد رکھو کہ قوت و شوکت میں وہ تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے۔

(۱۹-۲۴) مشرکین جو اپنے شریکوں کی شفاعت کی امید لیے بیٹھے ہیں یاد رکھیں کہ قیامت کے دن ان کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں خود ان کے خلاف گواہی دیں گے اور کسی کی شفاعت ان کے کچھ کام نہیں آئے گی۔ اس دن ان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ سب سے زیادہ ان کی تباہی کا سبب یہ چیز ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اس وہم میں مبتلا رہے کہ اس کو بندوں کے سارے اعمال کی خبر نہیں ہوتی۔ اس دن ان کے لیے امید کے سارے دروازے بند ہو جائیں گے۔ ان کا واحد ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اگر وہ معافی کی درخواست کریں گے تو ان کو معافی نہیں ملے گی۔

(۲۵-۲۹) گمراہ لیڈروں اور ان کے گمراہ پیروؤں کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں جمع کرے گا۔ قرآن کی دعوتِ توحید کی مخالفت میں انھوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کیا اس بات کا انجام اس دن ان کے سامنے آئے گا۔ اس وقت وہ ایک دوسرے پر لعنت کریں گے اور گمراہ ہونے والے عوام اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اے رب! انسانوں اور جنوں میں سے جنھوں نے بھی ہمیں گمراہ کیا ہے تو ان کو ہمیں دکھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں سے روند ڈالیں۔

(۳۰-۳۲) جو لوگ تمام مخالفتوں اور سازشوں کے علی الرغم توحید پر جمے رہیں گے قیامت کے دن ان کے پاس فرشتے اللہ تعالیٰ کی ابدی رحمت و نعمت کی بشارت لے کر آئیں گے۔

(۳۳-۳۶) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تسلی کہ تم نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ دعوت لے کر اٹھے ہو۔ اگر جاہل لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں تو ان کی جہالت کا مقابلہ شرافت اور عفو و درگزر سے کرو۔ اگرچہ یہ کام نہایت مشکل ہے لیکن یہ نہایت اعلیٰ حکمت ہے جو ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں اور نصیبہ ور درحقیقت وہی لوگ ہیں۔ اس وجہ سے تمھارے اور تمھارے ساتھیوں کے لیے یہی روش زیبا ہے۔ اور اگر کبھی شیطان کی وسوسہ اندازی سے اس کی کوئی خلاف ورزی ہو جائے تو فوراً اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

(۳۷-۴۰) ابتدائے سورہ میں توحید اور معاد کی جو دلیل بیان ہوئی ہے بعض دوسرے دلائلِ آفاق سے اس کی تائید اور ان لوگوں سے اظہارِ بیزاری، جو ان واضح آیات کے بعد بھی توحید اور آخرت کی مخالفت کر رہے تھے۔

(۴۱-۴۴) قرآن کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب پر جو احسان فرمایا اور جس کی طرف سورہ کی تمہید میں اشارہ گزر چکا ہے، اس کی تائید ایک نئے اسلوب سے۔ قرآن کی شان اور اس کی عظمت کے بیان کے ساتھ ساتھ قرآن کے خلاف اہلِ کتاب کے القا کیے ہوئے ایک اعتراض کا جواب اور مکذبین کی اصل بیماری کی نشان دہی۔

(۴۵-۴۶) یہود کے القا کیے ہوئے اس سوال کا جواب کہ جب قرآن تورات کو آسمانی کتاب تسلیم کرتا ہے تو اس کے ہوتے ہوئے کسی اور آسمانی کتاب کی کیا ضرورت پیش آئی؟

(۴۷-۵۱) جو لوگ آخرت کا مذاق اس وجہ سے اڑا رہے تھے کہ اس کا ظہور نہیں ہو رہا ہے یا پیغمبر ﷺ

کی تاریخ نہیں متعین کر سکتے، ان کو جواب اور جو لوگ اپنے مزعومہ شرکاء و شفعاء کے بل پر آخرت سے بےخوف تھے ان کو تنبیہ کہ اس دن سب اپنے شریکوں سے برارت کا اعلان کریں گے۔ علاوہ ازیں قیامت کے لیے جلدی مچانے والوں کی تنک ظرفی پر اظہار افسوس کہ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ ذرا سا خدا کی گرفت میں آجاتے ہیں تو فوراً بلبلا اٹھتے ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کو ذرا ڈھیل دے دیتا ہے تو شیخی بگھارنے اور عذاب کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔

(۵۲-۵۴) خاتمۂ سورہ جس میں تکذیب قرآن کے ہولناک انجام کی طرف اشارہ اور اس بات کی تہدید ہے کہ اب قرآن کی صداقت کی نشانیاں آفاق و انفس میں ظاہر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر چیز اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جو لوگ شک میں مبتلا ہیں وہ عنقریب سب کچھ آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ (۴۱)

مَكِّيَّةٌ ——— اٰیات : ۵۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ۱ - ۱۲

حٰمٓ ۝۱ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ
اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۴ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ
اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَ
بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝۵ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ (الثلثة)
مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ
وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸ ع ۱ / ۸ / ۱۵
قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ
الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ
الْعٰلَمِيْنَ ۝۹ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ
فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۱۰ ثُمَّ اسْتَوٰٓى
اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ

كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ⑪ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ⑫

ترجمۂ آیات ۱ - ۱۲

یہ حٰمٓ ہے۔ قرآن خدائے رحمان و رحیم کی تنزیل ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کی تفصیل عربی قرآن کی صورت میں ان لوگوں کے لیے کی گئی ہے جو جاننا چاہیں خوشخبری دینے والی اور آگاہ کر دینے والی۔ پس ان کی اکثریت نے اس سے اعراض کیا اور وہ اس کو نہیں سن رہے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل ان باتوں سے اوٹ میں ہیں جن کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو اور ہمارے کان اس چیز سے بہرے ہیں جو تم ہمیں سنا رہے ہو اور ہمارے اور تمھارے درمیان ایک حجاب حائل ہے تو جو کچھ تمہیں کرنا ہے وہ کر گزرو، ہم بھی جو کچھ کرنے والے ہیں کر کے رہیں گے۔ ۱ - ۵

ان سے کہہ دو، میں تو تمھارے ہی مانند ایک بشر ہوں۔ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود بس ایک ہی معبود ہے تو اسی کی طرف یکسو ہو کر اپنا رخ کرو اور اس سے مغفرت مانگو اور ان مشرکوں کے لیے تباہی ہے جو انفاق نہیں کرتے اور آخرت کے تو اصلی منکر وہی ہیں۔ البتہ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل بھی کیے ان کے لیے دائمی صلہ ہے۔ ۶ - ۸

ان سے پوچھو، کیا تم لوگ اس ہستی کا انکار کر رہے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو، وہی تو تمام عالم کا خداوند ہے! اور اس نے اس زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں اس کے غذائی ذخیرے ودیعت کیے سب ضرورتمندوں کے لیے یکساں طور پر۔ یہ سب ملا کر چار دنوں میں۔ پھر اس نے آسمان

کی طرف توجہ فرمائی، اور وہ اس وقت دھوئیں کی شکل میں تھا، پس اس کو اور زمین کو حکم دیا کہ تم ہمارے احکام کی تعمیل کرو، طوعاً یا کرہاً، وہ بولے کہ ہم رضامندانہ حاضر ہیں۔ پس ان کے سات آسمان ہونے کا فیصلہ فرمایا دو دنوں میں۔ اور ہر آسمان میں اس کے متعلقہ فرائض وحی کر دیے اور ہم نے آسمانِ زیریں کو چراغوں سے سنوارا اور اس کو اچھی طرح محفوظ کیا۔ یہ خدائے عزیز و علیم کی منصوبہ بندی ہے۔ ۹-۱۲

۱۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۱-۲)

حٰمٓ اس سورہ کا قرآنی نام ہے۔ پچھلی سورہ میں ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ جو سورتیں اس نام سے موسوم ہیں ان سب میں مضامین مشترک سے ہیں۔ تالیفِ کلام اگرچہ یوں بھی ہو سکتی ہے کہ اس کو مبتدا مان کر بعد کے جملہ کو اس کی خبر قرار دیجیے لیکن ہمارے نزدیک یہ مستقل جملہ ہے اور مبتدا اس میں محذوف ہے۔ ترجمہ میں ہم نے اس کو کھول دیا ہے۔

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ میں بھی مبتدا میرے نزدیک حذف ہے یعنی یہ قرآن خدائے رحمان و رحیم کی تنزیل ہے۔ پچھلی سورہ —— سورۂ مومن —— میں یہی بات یوں فرمائی گئی ہے: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ بعد والی آیت میں اس اجمال کی وضاحت بھی ہو گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ...... الاٰية۔

لفظ تَنْزِيْلٌ پر اس کے محل میں ہم گفتگو کر چکے ہیں کہ یہ لفظ اہتمام، تدریج اور تفخیم شان پر دلیل ہوتا ہے۔ یعنی یہ خدائے رحمان و رحیم کی طرف سے نہایت اہتمام کے ساتھ اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اس کے اتارنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے جو اہتمام خاص فرمایا اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت ان کے محل میں ہو چکی ہے۔

رحمت کی جگہ عذاب کا مطالبہ کرنے والوں کو ملامت

اسمائے حسنیٰ میں سے یہاں رحمان و رحیم کا حوالہ ہے جس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ خدائے رحمان کی صفت رحمت ہی ہے جو بندوں کے لیے قرآن کو اس اہتمام کے ساتھ اتارنے کا باعث ہوئی ہے۔ اس حقیقت کی طرف سورۂ رحمان میں بھی اشارہ ہے: اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ (الرحمٰن ۱-۲) (خدائے رحمان ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی) ان اسماء کے حوالہ سے مقصود یہاں ان لوگوں کی تکذیب کی شناعت

ظاہر کرنا بھی ہے جو قرآن جیسی عظیم رحمت کی ناقدری اور اس پر ایمان لانے کے بجائے اس عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے جس سے قرآن ان کو آگاہ کر رہا تھا۔ گویا ان کو بتایا جا رہا ہے کہ خدائے رحمان و رحیم نے تو ان کے لیے ایک عظیم برکت و رحمت نازل فرمائی لیکن وہ اپنی شامت کے باعث رحمت کی جگہ نقمت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ آگے کی آیات سے بالتدریج یہ مضمون واضح ہوتا جائے گا۔

کِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ (۳-۴)

اہلِ عرب پر قرآن کا خاص حق

یہ خبر کے بعد دوسری خبر اور اللہ تعالیٰ کی اس رحمت و عنایت کی تفصیل ہے جو قرآن کی صورت میں خاص طور پر اس نے اہلِ عرب پر فرمائی کہ اس کو عربی زبان میں اتارا تاکہ ان کو اس کلام کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یہ اعتراض اٹھاتے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کی وضاحت ان کے لیے خود ان کی زبان میں کیوں نہیں فرمائی؟ چنانچہ آگے اسی سورہ میں اسی بات کی وضاحت یوں فرمائی گئی ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِیًّا	اور اگر ہم اس کو عجمی قرآن کی صورت میں اتارتے تو یہ
لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰیٰتُهٗ ءَاَعْجَمِیٌّ	لوگ اعتراض اٹھاتے کہ اس کی آیتیں ہمارے لیے اچھی
وَّعَرَبِیٌّ (فصّلت: ۴۴)	طرح کھولی کیوں نہ گئیں؟ کلام عجمی اور مخاطب عربی!

لِّقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ' میں فعل ہمارے نزدیک ارادۂ فعل کے مفہوم میں ہے۔ یعنی ہم نے یہ سارا اہتمام ان لوگوں کے لیے کیا جو جاننے اور سمجھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو جاننے کی خواہش ہی سے محروم ہیں ان کے لیے سارے جتن بیکار ہیں۔ اس اسلوبِ بیان میں عربوں کے لیے ایک تحریض و ترغیب بھی ہے کہ انھیں جاننے اور سمجھنے کا حریص ہونا چاہیے اس لیے کہ وہ اُمّی رہے ہیں اور اب پہلی بار اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کی تعلیم کے لیے ان کی زبان میں اپنی کتاب اتاری ہے۔

قرآن کے رد و قبول دونوں کے دور رس اثرات

'بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا' یہ قرآن کی دوسری صفت بیان ہوئی ہے کہ یہ بشیر و نذیر بن کر نازل ہوا ہے۔ جو لوگ اس کو قبول کریں گے ان کے لیے یہ دنیا اور آخرت، دونوں میں فوز و فلاح کی بشارت ہے اور جو تکذیب کریں گے ان کے لیے یہ عذابِ الٰہی کا پیش خیمہ ہے۔ یعنی کوئی اس کو سہل چیز نہ سمجھے۔ اب یہ سب سے بڑی رحمت بھی ہے اور سب سے بڑی نقمت بھی اس وجہ سے جو لوگ اس کی مخالفت کے درپے ہیں وہ اس مخالفت کے انجام کو دُور تک سوچ لیں۔

قرآن محض وعظ نہیں بلکہ خدائی انذار ہے

'فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ' یعنی اکثر لوگوں نے اس کی اس اہمیت کو ملحوظ نہیں رکھا بلکہ انھوں نے اس کو ایک معمولی چیز سمجھ کر اس سے اعراض اختیار کر رکھا ہے اور اس کو سننے سمجھنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہو رہے ہیں۔ انھیں یہ اندازہ نہیں ہے کہ یہ محض کسی واعظ کا وعظ نہیں ہے بلکہ یہ خدائی انذار ہے اور یہ جن باتوں سے آگاہ کر رہا ہے ان میں سے ہر بات لازماً سامنے آ کے رہے گی۔

۱ - وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ (۵)

یہ اس اعراض اور نہ سننے کی تفصیل ہے کہ وہ بڑی رعونت و تمکنت کے ساتھ کہتے ہیں کہ جن چیزوں کی طرف تم ہمیں دعوت دے رہے ہو ان کو قبول کرنے کے لیے ہمارے دل بالکل بند ہیں یعنی جس توحید اور آخرت کی تم دعوت لے کر اٹھے ہو یہ دعوت کسی طرح ہمارے دل پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ بالکل وہی بات ہے جو یہود کی زبانی 'قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ' کے الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔ لفظ 'اَكِنَّةٌ' پر اس کے محل میں گفتگو ہو چکی ہے۔

'وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ' کے بعد 'من استماع القرآن' یا اس کے ہم معنی الفاظ حذف ہیں۔ 'مِمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ' کا تقابل اس حذف کی طرف اشارہ کر رہا ہے؛ ترجمہ میں ہم نے اس کو کھول دیا ہے۔ یعنی یہ قرآن جو تم ہم کو سنا رہے ہو اس کے سننے کے لیے ہمارے کان بہرے ہیں۔

'وَمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ'۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان عقائد و نظریات اور مسلک و مذہب کے اختلاف کی ایک ایسی دیوار حائل ہو گئی ہے کہ اب ہمارے مل سکنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔

مخالفین قرآن کا آخری مطالبہ

'فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ' یعنی جب ہمارے درمیان ایسی دیوار حائل ہو چکی ہے کہ اب ہم ایک دوسرے سے کبھی مل ہی نہیں سکتے تو اب جو کچھ تم کر سکتے ہو وہ کر گزرو اور ہم بھی جو کچھ کرنے والے ہیں وہ اب بلا پس و پیش کر کے رہیں گے۔ اگرچہ الفاظ سے ظاہر نہیں ہے لیکن اوپر 'بشیرو نذیر' کے جو الفاظ وارد ہوئے ہیں ان کو سامنے رکھ کے غور کیجیے تو 'فَاعْمَلْ' کے اندر ان کی طرف سے عذاب کا مطالبہ مضمر ہے۔ یعنی تم اپنے قرآن میں جس عذاب کی روز دھمکی سنا رہے ہو اب ہمارے اس فیصلہ کن اعلان کے بعد اس کو لاؤ اگر اپنے دعوے میں سچے ہو ورنہ ہم تو بہرحال جو کچھ کرنے والے ہیں کر کے رہیں گے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ (۶-۷)

آنحضرت کی طرف سے مطالبہ کا جواب

لفظ 'فَاعْمَلْ' کے اندر جو مطالبہ مضمر ہے اور جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ آنحضرت صلعم سے جواب دلوایا جا رہا ہے کہ ان لوگوں کو آگاہ کر دو کہ میں تو تمہارے ہی طرح ایک بشر ہوں۔ میں خدا نہیں ہوں کہ تمہارے مطالبے پر عذاب لا دوں یا جو چاہوں کر دوں۔ اس قسم کا کوئی اختیار مجھے حاصل نہیں ہے البتہ یہ وحی مجھ پر آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، کوئی اور

اس کا شریک و سہیم نہیں ہے تو بالکل یکسو ہو کر اسی کی طرف توجہ کرو اور اب تک جس شرک میں آلودہ رہے ہو اس کی معافی مانگو اور اپنے ربِّ حقیقی کی طرف رجوع کرو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی سن لو کہ ان مشرکوں کے لیے ہلاکی و بربادی ہے جو اللہ کی راہ میں انفاق تو کرتے نہیں، بس اپنے مزعومہ سفارشیوں کے بل پر بجنت بیٹھے ہیں۔ فرمایا کہ آخرت کے اصلی منکر یہی ہیں۔

لفظ زکوٰۃ انفاق کے عام مفہوم میں

'لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ' میں 'زکوٰۃ' سے مراد انفاق فی سبیل اللہ' ہے۔ اس مفہوم کے لیے یہ لفظ اسلام کے مکی دور میں بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ مدنی دور میں آکر اس کی ایک باضابطہ شکل معیّن ہو گئی اور پھر اس کا اطلاق اسی پر ہونے لگا۔ یہاں یہ لفظ اپنے عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے اور اس مفہوم میں اس زمانے میں معروف تھا۔

اس جواب کا مدعا یہ ہے کہ قرآن جس عذاب کی دھمکی سنا رہا ہے اس کو لانا تو میرا کام نہیں ہے بلکہ اللہ ہی کا کام ہے البتہ یہ انذار کان کھول کر سن لو کہ جو مشرکین ایمان و عمل صالح کے بجائے اپنے شرکاء و شفعاء پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں ان کی ہلاکی ہے!!

شرک و شفاعت کے ساتھ آخرت کو ماننا اس کے انکار کے حکم میں داخل ہے۔

'وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ'۔ اس جملہ میں مبتدا کے اعادہ سے حصر کا مضمون پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ یہ لوگ آخرت کے منکر ہیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہو گا کہ آخرت کے منکر یہی ہیں، اس حصر کا فائدہ یہ ہوا کہ کوئی اس غلط فہمی میں نہ رہے کہ جب یہ آخرت کو مانتے ہیں، اگرچہ شرک و شفاعت کے تصور کے ساتھ سہی، تو کسی نہ کسی درجے میں ان کے اس ماننے کا بھی اعتبار ہونا چاہیے۔ فرمایا کہ ہرگز نہیں، جن لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کے شفعاء و شرکاء ان کو بہر حال بخشوا ہی لیں گے خواہ ان کے اعمال کچھ ہی ہوں وہ آخرت کے ماننے والے نہیں بلکہ اس کے اصلی منکر و مکذب وہی ہیں۔ اس زور و تاکید کے ساتھ اس بات کے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے خدا کے اس عدل اور اس حکمت ہی کی نفی کر دی جس پر آخرت کی بنیاد ہے۔ دوسرے اگر منکر ہیں تو محض استبعاد یا شک میں مبتلا ہیں لیکن انھوں نے تو قیامت کا سارا فلسفہ ہی ہدم کر دیا۔ آگے آپ دیکھیں گے کہ قرآن نے شرک کو بھی صاف صاف کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ شرک درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تمام بنیادی صفات کی نفی کر دیتا ہے جن کی نفی کے بعد خدا کو ماننا اور نہ ماننا دونوں بالکل یکساں ہو کر رہ جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۸)

توحید خالص پر قائم رہنے والوں کے لیے بشارت

یہ اس انذار کے مقابل میں بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں غیر منقطع اجر صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان اور عمل صالح کی روش اختیار کریں گے یعنی بلا شائبۂ شرک توحید پر ایمان لائیں گے اور خدا کی بندگی اور اطاعت کے جو حقوق ان پر عائد ہوتے ہیں ان کو پورے اخلاص اور کامل استقامت کے ساتھ ادا کریں گے۔

'غَيْرُ مَمْنُوْنٍ' کی تاویل بعض لوگوں نے اس سے مختلف بھی کی ہے لیکن قرآن کے نظائر سے تائید اسی

تاویل کی ہوتی ہے جو ہم نے اختیار کی ہے۔ قرآن میں بعض جگہ یہی مضمون عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے معنی ایسی بخشش کے ہیں جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (۹)

نظامِ کائنات میں توحید کے شواہد

اب یہ آسمان و زمین کے نظام کے اندر خالق کی قدرت، حکمت، ربوبیت اور اس کی توحید کے جو آثار نمایاں ہیں ان کی طرف توجہ دلائی ہے اور آگے آیت ۱۲ میں اس بحث کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ۔ یعنی جو شخص اس کائنات کے ان پہلوؤں پر غور کرے گا وہ یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ یہ نہ تو ایک حادثہ کے طور پر آپ سے آپ وجود میں آگئی ہے، نہ یہ کسی کھلنڈرے کا کھیل تماشا ہے اور نہ یہ مختلف دیویوں دیوتاؤں کی بازی گاہ یا رزم گاہ ہے بلکہ یہ خدائے عزیز و علیم کی منصوبہ بندی اور اس کے علم و حکمت سے وجود میں آئی ہے۔ یہ مضمون چار آیتوں میں پھیلا ہوا ہے اس وجہ سے قارئین کی سہولت کے لیے ہم پہلے آیتوں پر الگ الگ بحث کریں گے پھر آخر میں خلاصۂ بحث پیش کر کے اس پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں ان کو رد کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس سلسلہ کی پہلی آیت کو لیجیے جو اوپر نقل ہوئی ہے۔ فرمایا کہ کیا تم لوگ اس ذات کا انکار کر رہے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور اس کے شریک ٹھہراتے ہو، عالم کا خداوند تو وہی ہے!

خدا کو ماننا صرف وہ معتبر ہے جو اس کی تمام صفات کے اقرار کے ساتھ ہو

یہاں پہلی قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ خطاب اگرچہ مشرکینِ قریش سے ہے جو خدا کے منکر نہیں بلکہ اس کے شریک ٹھہرانے والے تھے لیکن قرآن نے ان کے اس شرک کو کفر (اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ) سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کو ماننا معتبر صرف وہ ہے جو اس کی تمام صفات اور ان کے تمام حقوق و مقتضیات کے ساتھ ہو۔ اگر کوئی شخص خدا کو مانے لیکن اس طرح مانے کہ اس سے خدا کی کل یا بعض صفات کی نفی ہو رہی ہو تو یہ ماننا دین میں معتبر نہیں ہے بلکہ یہ درحقیقت کفر ہی ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے شرک کو جگہ جگہ کفر سے تعبیر اور مشرکین کو صریح الفاظ میں يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے خطاب فرمایا ہے۔ اوپر ہم نے مشرکین کے منکرِ قیامت ہونے کی جو توجیہ کی ہے اس کو بھی پیشِ نظر رکھیے۔ یہ دونوں باتیں درحقیقت ایک ہی اصول پر مبنی ہیں۔

خدائی ایام ہمارے دنوں سے مختلف ہیں

فِيْ يَوْمَيْنِ میں دو دنوں سے مراد یہ ہمارے دن نہیں ہیں بلکہ، جیسا کہ اس کے محل میں ہم وضاحت کر چکے ہیں، اس سے خدائی دن مراد ہیں جو ہمارے شمار سے ہزار سال بلکہ بعض صورتوں میں پچاس ہزار سال کے برابر بھی ہوتے ہیں اس وجہ سے ان کو ادوار کے مفہوم میں لینا چاہیے۔

آسمانوں اور زمین کی خلقت کی تفصیل

قرآن کے دوسرے مقامات میں آسمان و زمین اور ان کے متعلقات کی خلقت چھ دنوں میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں اس مجموعی تعداد کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ کس چیز کی خلقت پر کتنے دن صرف ہوئے ہیں۔

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین دو دنوں میں پیدا کی۔ اس کے اس کام میں کوئی اس کا ساجھی اور شریک و مددگار نہیں ہوا لیکن تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو! حالانکہ جو اس کا خالق ہے وہی اس زمین اور تمام عالم کا خداوند بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہی خداوند ہے بھی اور اسی کو ہونا چاہیے بھی اس لیے کہ وہی خالق ہے لیکن تمہاری خرد باختگی کا یہ حال ہے کہ تم نے عقل و فطرت کے بالکل خلاف اور بالکل بے دلیل اس کے شریک اور مدِ مقابل بنا رکھے ہیں! یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مشرکین عرب آسمان و زمین بلکہ تمام چیزوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے لیکن اس کے باوجود اس کے شریک بھی ٹھہراتے تھے یہاں ان کے اسی مسلّمہ پر دلیل قائم فرمائی ہے اور انداز ملامت کا ہے۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا فِيٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۖ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِينَ (۱۰)

زمین اور اس کے بعض آثار

یہ زمین کی برکات کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ اللہ ہی نے اس کے اندر پہاڑ گاڑے۔ ان پہاڑوں کے گاڑنے کی ایک حکمت دوسرے مقام میں بیان فرمائی ہے کہ یہ زمین کے توازن کو قائم رکھے ہوئے ہیں ورنہ اندیشہ ہے کہ یہ تمام مخلوقات سمیت کسی طرف کو لڑھک جائے۔ 'مِنْ فَوْقِهَا' کے الفاظ سے مقصود ان کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ نشانیاں کچھ ڈھکی چھپی نہیں ہیں بلکہ یہ زمین کے اوپر ہی موجود ہیں جن کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ سورہ غاشیہ میں بھی پہاڑوں کی طرف اسی پہلو سے توجہ دلائی گئی ہے: 'أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ' (الغاشیة: ۱۷-۲۰) (کیا وہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح ان کی خلقت ہوئی ہے اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح اس کو بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح وہ گاڑے گئے ہیں اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح وہ سطح کی گئی ہے!!)

'وَبٰرَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا' یعنی اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں تمام قسم کے غذائی ذخیرے ودیعت کیے۔

زمین اور اس کی برکات

اسی برکت کا کرشمہ ہے کہ یہ ہر قسم کی نباتات اگاتی ہے جن کے پھل اور پھول انسان اور دوسری مخلوقات کے کام آتے ہیں، یہ اسی کا فیض ہے کہ ایک دانہ انسان بوتا ہے اور زمین سینکڑوں دانوں کی شکل میں اس کا حاصل اس کو واپس کرتی ہے۔ ایک گٹھلی یا ایک قلم آدمی زمین میں لگاتا ہے اور ایک مدتِ دراز تک اس کا پھل وہ اور اس کے اخلاف کھاتے ہیں۔ علاوہ بریں یہ اسی برکت کا ثمرہ ہے کہ انسان اپنی سائنس کے ذریعہ سے اس کے جتنے پرت الٹتا جاتا ہے اتنے ہی اس کے اندر سے خزانے پر خزانے نکلتے آ رہے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ انسان کی سائنس تھک جائے گی لیکن زمین کے خزانے کم ہونے والے نہیں ہیں۔

'وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا' یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کی آغوش میں جتنی مخلوقات ڈالی ہیں یا ڈالے گا اسی

حساب سے اس کے اندر غذائی ذخائر بھی مقدر کر دیے ہیں۔ یہ ذخائر قیامت تک انسان کی سعی و تدبیر سے برآمد ہوتے رہیں گے۔ ہر مخلوق جو اس زمین پر پیدا ہوگی اس کے حصے کا رزق اللہ تعالیٰ نے زمین کو تحویل میں دے رکھا ہے اور اس کے برآمد کرنے کی تدبیر بھی انسان کو الہام کر رکھی ہے۔

ایام کی مجموعی تعداد جو آسمان و زمین کے پیدا کرنے میں لگی

'فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ'۔ یہ سارے کام چار دنوں میں انجام پائے۔ یعنی زمین کی خلقت کے دن اور اس کے اندر پہاڑ گاڑنے اور تقدیر اقوات کے دن سب ملا کر چار دن ہوئے۔ مذکورہ کاموں میں جتنے دن صرف ہوئے۔ یہ آخر میں ان سب کو جمع کر دیا ہے۔

اللہ نے ہر قسم کی مخلوقات کے لیے ان کے جبلی تقاضوں کے مطابق غذا فراہم کی ہے

'سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ'۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی قسم کی مخلوقات پیدا کی ہیں اور ان کے بقا کے لیے جس قسم کی غذا کی احتیاج ان کے اندر رکھی ہے، ان سب کی جبلی احتیاج کے اعتبار سے یہ غذائی ذخیرے ودیعت فرمائے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ کچھ مخلوقات تو وجود میں آگئی ہوں لیکن ان کی پرورش کے لیے جس غذا کی ضرورت ہے وہ وجود میں نہ آئی ہو۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر، زمین کی تہوں میں، سمندروں کی تاریکیوں میں، جہاں کہیں بھی کوئی چھوٹی یا بڑی مخلوق موجود ہے اس کے گرد و پیش میں اس کا طبعی رزق موجود ہے۔ ایک بکری گھاس کھا کر زندہ رہتی ہے اس کے لیے اللہ نے گھاس پیدا کی ہے۔ ایک شیر گوشت سے زندہ رہتا ہے اس کو اللہ نے شکار کے اسلحہ بھی دیے ہیں اور شکار کے لیے جانور بھی پیدا کیے ہیں۔ اور یہ بات بھی صاف نظر آتی ہے کہ کسی کو بھی اپنی مایحتاج سے زبردستی مناسبت نہیں پیدا کرنی پڑی ہے بلکہ جس کو جو کچھ بھی ملا ہے اس کے جبلی تقاضوں کے مطابق ملا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ یہ اللہ ہی کی شان ہو سکتی ہے کہ وہ اتنی بے شمار قسم کی مخلوقات پیدا کرے اور پھر ہر جنس و نوع کے جبلی تقاضوں کے مطابق ان کے لیے غذا فراہم کرے۔ خدا کے سوا اور کون ہے جو اس پر قادر ہو سکے؟

لفظ 'سوال' ایک خاص مفہوم میں

لفظ 'سوال'، یہاں، اسی معنی میں ہے جس معنی میں سورۂ ابراہیم کی آیت ۳۴ میں ہے: 'وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ' (اور تم کو ان سب میں سے دیا جن کے تم محتاج ہوئے) یعنی تمہارے اندر اس نے جن چیزوں کی احتیاج رکھی وہ چیزیں بھی مہیا فرمائیں۔

اشتراکیت پسندوں کا ایک بے بنیاد استدلال

زیر بحث ٹکڑے سے اشتراکی حضرات نے غذائی مساوات کا ثبوت فراہم کرنے کی جو کوشش کی ہے اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے آیت کی صحیح تاویل واضح کر دی اور یہی ہماری ذمہ داری ہے۔ لوگوں کے اندر صحیح بات سمجھنے اور اس کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر دینا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ (۱۱)

پہلے آسمان پیدا ہوا یا زمین؟

'اِسْتَوٰٓی اِلَی الشَّیْءِ' کے معنی ہیں اس کی طرف توجہ کی، اس کا قصد فرمایا، اس کا ارادہ کیا۔ فرمایا

کہ تخلیقِ زمین کے ان مراحل کے بعد آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور اس وقت وہ دھوئیں کی شکل میں تھا۔ 'دھوئیں' سے مراد غبار ہے یا سائنسدانوں کی اصطلاح میں اس کو نیبولا (NEBULA) یا سحابیہ کہہ لیجیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت آسمان اپنی ایک ابتدائی اور نا تمام شکل میں موجود تھا۔ اس کی یہ شکل ظاہر ہے کہ انہی دو دنوں میں وجود پذیر ہوئی ہو گی جن میں زمین کی ابتدائی خلقت کا مرحلہ طے پایا ہے اس وجہ سے اس 'استواء' سے مقصود وہ توجہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان کو ایک تکمیلی شکل دینے کے لیے فرمائی۔ چنانچہ آگے کی آیات سے واضح ہے کہ اس مرحلہ میں اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سات آسمانوں کی صورت میں متشکل کیا اور نظامِ کائنات میں ہر آسمان کا جو فریضہ ہے اس کا اس کو پابند کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین دونوں کی خلقت کا آغاز تو ایک ہی ساتھ ہوا ہے لیکن جس طرح ایک وسیع الاطراف عمارت کے مختلف حصوں میں تعمیر کے مصالح کے تحت کبھی اس کے کسی گوشہ میں کام ہوتا ہے کبھی کسی گوشہ میں اسی طرح آسمان و زمین کی تعمیر کا کام بھی ہوا ہے اس وجہ سے یہ سوال غیر ضروری ہے کہ پہلے زمین پیدا ہوئی ہے یا آسمان؟ ایک مکان کی پلاننگ لازماً ایک ہی وقت میں ہوتی ہے۔ اس کے ہر حصہ کی تعمیر کے لیے ضروری میٹریل بھی فراہم کر لیا جاتا ہے۔ کام کا آغاز اگرچہ بنیادوں اور دیواروں سے ہوتا ہے لیکن ابھی ان کی تکمیل کا مرحلہ باقی ہی ہوتا ہے کہ چھت کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ چھت سے متعلق ابھی کچھ مزید کام باقی ہی رہتے ہیں کہ دیواروں کے پلاستر کا کام سامنے آ جاتا ہے۔ اس سے فارغ ہوئے کہ چھت کا بقیہ کام تکمیل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس سے فراغت حاصل ہوئی تو فرش کی تکمیل کی طرف توجہ ہوئی۔ غرض ایک مکان کی تعمیر کا معاملہ ایک مرکب اور مجموعی نوعیت رکھتا ہے اور اسی حیثیت سے اس پر غور کرنا پڑتا ہے۔

اگرچہ اس چھوٹی سی مثال کو آسمان و زمین سے کوئی نسبت نہیں ہے لیکن بات کو سمجھنے کے لیے اسی پر آسمان و زمین کو بھی قیاس کرنا پڑے گا اس لیے کہ قرآن نے ان دونوں کا ذکر ایک مکان ہی کی نوعیت سے کیا ہے۔ کبھی آسمان کا ذکر مقدم کیا ہے کہیں زمین کا۔ کہیں یہ خیال گزرتا ہے کہ چھت پہلے بنی ہے اور کہیں یہ شبہ دل میں پیدا ہوتا ہے کہ چھت سے پہلے فرش کی تکمیل ہوئی ہے حالانکہ اس قسم کے شبہات محض اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ آسمان و زمین دونوں کو ایک مجموعہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ان کو الگ الگ دیکھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں ان اشارات پر قناعت کیجیے۔ ان شاء اللہ سورۂ نازعات کی آیات ۳۰-۲۷ کے تحت ہم اس کی مزید وضاحت کریں گے۔

اس کائنات کی ہر چیز اپنی جبلت کے اعتبار سے مسلم ہے

'فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ'۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین دونوں کو وجود بخشنے کے بعد یہ ہدایت فرمائی کہ تم دونوں کو بہرحال میری اطاعت کرنی ہے، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم رضامندانہ اطاعت کے لیے حاضر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات کی جو چیزیں جبلی طور پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتی ہیں ان کی اطاعت بھی مجبورانہ نہیں بلکہ رضامندانہ ہے

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی جبلت اسلام ہی کے سانچہ پر بنائی ہے۔ گویا اس کائنات کی ہر چیز اپنی جبلت کے لحاظ سے مسلم ہے۔ فرشتے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جو نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ خدا کی فرمانبرداری پر مجبور ہیں بلکہ ان کی فطرت اللہ تعالیٰ نے اسلام کے رنگ میں اس طرح رنگی ہے کہ ان سے کبھی اس کی خلاف ورزی صادر نہیں ہو سکتی۔

'اِئْتِيَا طَوْعًا' اسی طرح کا اسلوب ہے جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو اپنے نامہ میں لکھا تھا کہ 'وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ'۔ جن لوگوں نے اس کے معنی اس سے الگ لیے ہیں انھوں نے اسلوبِ زبان سے ناواقفیت کے باعث بالکل غلط معنی لیے ہیں۔

جمادات بھی اپنے رب کے احکام کے سمجھنے اور ان کی تعمیل کے معاملہ میں عاقل ہیں

اس آیت سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اس کائنات کی جن چیزوں کو ہم لایعقل جمادات کے درجہ میں رکھتے ہیں وہ بھی اپنے رب کے حکموں کو سمجھنے، اس کی باتوں کا جواب دینے، اس کے ارشادات کی تعمیل کرنے اور اس کی تحمید و تسبیح کے معاملہ میں پوری طرح عاقل ہیں۔ چنانچہ یہاں آسمان و زمین کی زبان سے جو قول نقل ہوا ہے اس میں بھی لفظ 'طَآئِعِیْنَ' آیا ہے جو ذوی العقول اور ذی ارادہ چیزوں ہی کے لیے موزوں ہے۔ اگر ہم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے یا ان کو خطاب نہیں کر سکتے تو اس کی بنا پر ہم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کو بالکل لایعقل خیال کریں بلکہ یہ محض ہمارے علم کی نارسائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کائنات کے ایک ایک ذرے کی تحمید و تسبیح کو سمجھتا ہے، اور ہر ذرہ اس کے حکموں کو سمجھ کر اس کی تعمیل کرتا ہے۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ۚ وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖ وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (۱۲)

ساتوں آسمانوں کی تکمیل

اس سے معلوم ہوا کہ جس وقت آسمان کی طرف توجہ فرمائی ہے اس وقت ساتوں آسمانوں کا ہیولیٰ تو موجود تھا اگرچہ ابھی وہ تکمیلی عمل (FINISHING TOUCH) کا محتاج تھا۔ اس کا اشارہ جمع کی ضمیر اور بعد کے قرائن سے نکلتا ہے۔ فرمایا کہ پس ان کا فیصلہ فرما دیا کہ وہ سات آسمان بن جائیں۔

'وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا' اور ان میں سے ہر آسمان کی اس کائنات کے مجموعی نظام میں جو ڈیوٹی ہے وہ اس کو وحی فرمائی۔

'وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ' اور آسمانِ زیریں کو ستاروں کے قمقموں سے سجایا۔ یہاں اسلوب کی یہ تبدیلی ملحوظ رہے کہ اوپر کی باتیں غائب کے اسلوب میں ہیں اور یہ بات متکلم کے اسلوب میں۔ اسلوب کی اس تبدیلی کی بلاغت کی طرف اس کے محل میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

'وَحِفْظًا' یہ مصدر فعل کی تاکید کے لیے ہے یعنی اس آسمانِ زیریں کو شیاطینِ جن کی دراندازیوں سے اچھی طرح محفوظ کیا۔ اس کی وضاحت اس کتاب کے متعدد مقامات میں ہو چکی ہے اور آگے سورۂ جن کی تفسیر میں اس کی مزید تفصیل ان شاء اللہ آئے گی۔ یہ سارے کام دو دنوں میں تکمیل کو پہنچے اور مجموعی طور پر یہ کل چھ

دن ہوئے۔ یہ اس اجمال کی تفصیل ہوگئی جو آسمان و زمین کی خلقت سے متعلق قرآن کے دوسرے مقامات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

ساری تفصیل کا خلاصہ

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ: یہ اس ساری تفصیل کا خلاصہ سامنے رکھ دیا ہے کہ جو شخص اس کارخانۂ کائنات پر غور کرے گا وہ پکار اُٹھے گا کہ یہ ایک عزیز و علیم کی منصوبہ بندی کا کرشمہ ہے۔ یعنی یہ کوئی اتفاقی حادثہ کے طور پر ظہور میں آجانے والی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے اندر نہایت حکیمانہ پلاننگ ہے اور یہ پلاننگ ایک ایسی ہستی کی کی ہوئی ہے جو ہر چیز پر غالب و مقتدر ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں ہے۔ ساتھ ہی اس کا علم محیطِ کل ہے کہ اس کائنات کے بعید سے بعید گوشوں کی ہر چیز سے بھی وہ باخبر، اس کی ضروریات سے واقف اور اس کائنات کے مجموعی نظام میں اس کا جو ربط ہے اس سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ اس خلاصہ کو سامنے رکھتے ہوئے اب ابتدا کے سوال اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ ..... الآیۃ، کو اس کے ساتھ ملایئے تو گویا پوری بات یوں ہوگی کہ یہ کائنات اپنے وجود سے تو اس بات کی شہادت دے رہی ہے کہ یہ ایک عزیز و علیم کی بنائی ہوئی اور اسی کے تصرف میں ہے لیکن تمہاری جہالت کا یہ عالم ہے کہ بہت سے فرضی دیویوں دیوتاؤں کو اس کا شریک مان کر تم اس کا انکار کر رہے ہو۔ اس بات کو سوال کی صورت میں تعجب و کراہیت کے اظہار کے لیے رکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی حماقت کے لیے کوئی وجہ جواز تو نہیں ہے لیکن جب عقل الٹ جاتی ہے تو انسان سے کوئی حماقت بھی بعید نہیں رہ جاتی۔

ان آیات کی تعلیم

ان آیات سے جو تعلیم نکلتی ہے اگرچہ آیات کی وضاحت کرتے ہوئے اس کی طرف ہم اشارہ کرتے آرہے ہیں لیکن چونکہ اس کا تعلق دین کی بنیادی حکمت سے ہے اس وجہ سے آخر میں ہم اس کی پھر یاددہانی کیے دیتے ہیں۔

پہلی بات یہ نکلتی ہے کہ یہ دنیا نہایت تدریج و اہتمام کے ساتھ ایک طے کردہ پروگرام کے مطابق وجود میں آئی ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ اس کو کسی نے بس یوں ہی کھیل تماشے کے طور پر بنایا ہے اور یہ یوں ہی چلتی رہے گی یا یوں ہی ختم ہوجائے گی۔ یہ اہتمام اس کے بامقصد و باغایت ہونے کی ناقابلِ انکار دلیل ہے اور اس کا باغایت و بامقصد ہونا لازماً آخرت کو مقتضی ہے۔

دوسری یہ کہ اس کا خالق بے نہایت قدرت اور غیر محدود علم کا مالک ہے اس وجہ سے اس کام میں نہ اس کو کسی کی مدد کی ضرورت ہوئی اور نہ کوئی اس کی مدد کر سکنے کا اہل ہے۔

تیسری یہ کہ آسمان و زمین دونوں نے مل کر ایک مکان کی شکل اختیار کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو فروکش کیا ہے اس وجہ سے یہ خیال بالبداہت غلط ہے کہ اس کی چھت پر کسی اور کا تصرف ہے اور اس کے فرش کا کوئی اور مالک ہے بلکہ آسمان و زمین دونوں کی سازگاری اس بات کی دلیل ہے کہ جس عزیز و علیم نے ان کو

پیدا کیا ہے وہی ان پر متصرف بھی ہے۔

چوتھی یہ کہ اس دنیا میں ربوبیّت کا جو ہمہ گیر نظام ہے وہ اس بات پر شاہد ہے کہ یہ خدائے عزیز و علیم ہی کا قائم کیا ہوا ہے، کوئی دوسرا اس نظام کو قائم کرنے پر قادر نہیں ہے اس وجہ سے بندوں کو چاہیے کہ اسی کے آگے دستِ سوال دراز کریں اس لیے کہ حقیقی نافع و ضار وہی ہے۔

پانچویں یہ کہ ربوبیّت کا یہ وسیع نظام اس بات کا مقتضی ہے کہ ایک ایسا دن آئے جس میں لوگ اپنے منعم حقیقی کے روبرو حاضر ہوں۔ ان سے نعمتوں کے حق سے متعلق پرسش ہو۔ جنھوں نے ان کا حق پہچانا ہو وہ اس کا صلہ پائیں اور جنھوں نے ناشکری کی ہو وہ اس کی سزا بھگتیں۔

۲۔ آگے کا مضمون ـــ آیات: ۱۳-۲۴

آگے قریش کی تنبیہ کے لیے اس رسواکن انجام کی بعض تاریخی مثالوں کا ذکر فرمایا ہے جس سے رسولوں کے مکذبین کو لازماً سابقہ پیش آتا ہے۔ نظم کلام بالکل واضح ہے۔ آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات: ۱۳-۲۴

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ

الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

ركوع ۲ / ۱۶

ترجمہ آیات: ۱۳-۲۴

پس اگر وہ اعراض کرتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ میں تمھیں اس طرح کے کڑکے سے آگاہ کرتا ہوں جس طرح کا کڑکا عاد اور ثمود پر نازل ہوا۔ جب کہ آئے ان کے رسول ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے اس دعوت کے ساتھ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے اتارتا تو ہم تو اس پیغام کے منکر ہیں جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔ ۱۳-۱۴

عاد کا معاملہ یوں ہے کہ انھوں نے زمین میں بغیر کسی حق کے گھمنڈ کیا اور بولے کہ ہم سے بڑھ کر طاقت میں کون ہے۔ کیا انھوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ جس

خدا نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ زور آور ہے۔ اور وہ ہماری نشانیوں کا برابر انکار کرتے رہے تو ہم نے ان پر چند منحوس دنوں میں ایک بادِ تند بھیجی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ رسوا کن ہوگا اور وہاں ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ ۱۵-۱۶

رہے ثمود تو ہم نے ان کو ہدایت کی راہ دکھائی لیکن انھوں نے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دی تو ان کو بھی عذابِ ذلّت کے کڑکے نے آدبوچا ان کے اعمال کی پاداش میں اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرنے والے تھے۔ ۱۷

اور اس دن کا دھیان کرو جس دن اللہ کے دشمن دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے پس ان کی درجہ بندی ہوگی۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس حاضر ہو جائیں گے تو ان کے کان، اور ان کی آنکھیں اور ان کے جسم کے رونگٹے ان پر ان باتوں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے رہے۔ اور وہ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہمیں اسی اللہ نے گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا اور وہی ہے جس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا اور اب اسی کی طرف لوٹائے جا رہے ہو۔ ۱۸-۲۱

اور تم یہ اندیشہ نہیں رکھتے تھے کہ تمھارے خلاف تمھارے کان یا تمھاری آنکھیں یا تمھارے جسموں کے رونگٹے گواہی دیں گے بلکہ اس پر مزید تم نے یہ گمان کیا کہ اللہ بھی ان بہت سی باتوں کو نہیں جانتا جو تم کرتے ہو۔ اپنے رب کے بارے میں تمھارا یہی وہ گمان ہے جس نے تم کو غارت کیا اور تم خسارے میں پڑنے والے بنے۔ ۲۲-۲۳

پس اگر وہ صبر کریں تو دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے اور اگر وہ معافی مانگیں گے تو

ان کو معافی نہیں ملے گی۔ ۴۴

۳۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (۱۳)

قریش کے اعراض کا ذکر اوپر آیات ۴-۵ میں گزر چکا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انھوں نے اعراض ہی کا فیصلہ کر لیا ہے تو ان کو آگاہ کر دو کہ اگر تمہارا فیصلہ یہی ہے تو میں تم کو اسی طرح کے کڑکے کے عذاب سے ڈراتا ہوں جس طرح کا عذاب عاد اور ثمود اور ان کی ہم مشرب دوسری قوموں پر آیا۔ یہاں اسلوب بیان سے واضح ہے کہ عاد اور ثمود کا ذکر محض بطور مثال ہوا ہے مقصود ان تمام قوموں کے انجام کی طرف اشارہ کرنا ہے جو رسولوں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئیں اور جن کا ذکر پچھلی سورتوں میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

'صاعقۃ' کا ذکر بطور عذاب کی ایک نمایاں علامت کے

'صٰعِقَةً' کا ذکر اس عذاب کی ایک نمایاں علامت کے طور پر ہوا ہے جس سے یہ قومیں ہلاک ہوئیں۔ دوسرے مقام میں ہم تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ ان قوموں پر جو عذاب آیا وہ شمال کی بادِ تند، ژالہ باری اور ہولناک رعد و برق کا مجموعہ تھا۔ چنانچہ قرآن میں اس کی تعبیر مختلف الفاظ سے ہوئی ہے۔ یہاں اس کے ایک نمایاں وصف 'صاعقۃ' سے اس کا ذکر فرمایا لیکن مقصود اس کے ان تمام لوازم کی طرف اشارہ کرنا ہے جو دوسرے مقامات میں مذکور ہوئے ہیں اور ان میں بعض کا ذکر یہاں بھی آگے آ رہا ہے۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ (۱۴)

لفظ 'رسل' کے جمع لانے کی علت

ان قوموں کی طرف اگرچہ دو ہی رسولوں —— حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام —— کا مبعوث ہونا قرآن میں مذکور ہوا ہے لیکن یہاں لفظ 'رسل' بصورت جمع استعمال ہونے کی وجہ وہی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ ان قوموں کا ذکر یہاں بطور مثال ہوا ہے۔ مقصود ان تمام قوموں کی طرف اشارہ کرنا ہے جنھوں نے ان کی روشِ بد کی پیروی اور اپنے رسولوں کی تکذیب کی۔

رسولوں کی ہمہ جہت جدوجہد کی تعبیر

'مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ': یہ ان رسولوں کی اس انتھک، ہمہ جہت اور شبانہ روز جانفشانی کی تعبیر ہے جو انھوں نے اپنی اپنی قوموں کو دعوتِ توحید پہنچانے میں صرف کی۔ ابلیس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے کے لیے جو چیلنج دیا تھا اس کے الفاظ ہیں: لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ (الاعراف ۷: ۱۷) (میں ان پر ان کے آگے اور پیچھے سے گھیرے ڈالوں گا) قرآن نے یہاں رسولوں کا یہ وصف بیان کر کے گویا یہ واضح فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ابلیس کے فتنوں سے بچانے کے لیے اپنے رسول بھی ایسے بھیجے جنھوں نے ان کو ہر جہت سے گھیرنے میں اپنے رات دن ایک کر دیے۔

قوموں کی طرف سے رسولوں کو جواب

"قَالُوْا لَوْ شَآءَ ...... الاٰیۃ" لیکن رسولوں کی اس ساری تگ و دو کی انھوں نے قدر کی تو یہ کہ ان کی رسالت کی تکذیب کر دی کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف رسول بھیجنے والا ہوتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا نہ کہ ہمارے ہی جیسے آدمیوں کو اور تم چونکہ ہمارے ہی جیسے آدمی ہو اس وجہ سے ہم تمھاری رسالت تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ پس جو پیغام (اشارہ پیغامِ توحید کی طرف ہے) تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم کو اس کے قبول کرنے سے صاف انکار ہے۔

"فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ" کے اسلوب میں جو طنز ہے وہ اہلِ ذوق سے مخفی نہیں ہے۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ لوگ بزعمِ خویش جس پیغام کے حامل بن کر آئے ہو ہمیں اس سے صاف انکار ہے یعنی نہ ہم آپ لوگوں کو رسول مانتے اور نہ آپ لوگوں کے پیغام کو پیغام۔ اس وجہ سے ہم پر اس قسم کی کوئی دھونس جمانے کی کوشش نہ کی جائے۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ (۱۵)

عاد کا رویہ

یہ ان کے اس رویہ کی کسی قدر وضاحت ہے جو انھوں نے اپنے رسولوں کے انذار کے مقابل میں اختیار کیا۔ پہلے زمانی تقدم کی بنا پر عاد کو لیا ہے۔ فرمایا کہ عاد کو جو قوت و شوکت اللہ تعالیٰ نے بخشی اس کو پا کر خدا کے شکر گزار ہونے کے بجائے وہ خدا کی زمین میں اکڑنے والے بن گئے۔ ان کے اس 'استکبار' کو 'بغیر الحق' کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس کی وجہ جیسا کہ اس کے محل میں ہم اشارہ کر چکے ہیں، یہ ہے کہ تکبر صرف اس کے لیے زیبا ہے جو اس تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اس کے سوا اور کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے۔

"وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً" یہ ان کے اسی تکبر کی وضاحت ہے کہ جب اللہ کے رسول نے ان کو ڈرایا کہ اگر وہ اپنی سرکشی کی اس روش پر جمے رہے تو جلد اللہ کی پکڑ میں آ جائیں گے تو اس کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ اگر ہماری روش تباہی کی روش ہوتی تو کیا اس کا نتیجہ یہی ہونا تھا کہ آج اس سرزمین پر ہم قوت و شوکت میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتے! اس وجہ سے ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ہم تباہی کے راستہ پر نہیں جا رہے ہیں۔ بلکہ وہ لوگ دماغی خرابی میں مبتلا ہیں جو ہمیں عذاب سے ڈرا رہے ہیں۔

"اَوَلَمْ يَرَوْا ...... الاٰیۃ" یہ ان کے مذکورہ احمقانہ چیلنج کا جواب ہے کہ اگر وہ ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو وہ یہ بات آسانی سے سمجھ سکتے تھے کہ جس خدا نے ان کو اور اس ساری کائنات کو وجود بخشا ہے وہ زور و قوت میں ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ وہ جب چاہے اور جہاں سے چاہے ان کو پکڑ سکتا ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ اس سے مزاحم ہو سکے۔

"وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ" اس کا تعلق اصل سلسلۂ کلام سے ہے۔ بیچ میں "اَوَلَمْ يَرَوْا ...... الاٰیۃ" کا ٹکڑا ان کے چیلنج کے فوری جواب کے طور پر آ گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے استکبار کے سبب

کوئی بات بھی سننے سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اللہ کے رسول نے ان کو جو آیتیں سنائیں، یا جو نشانیاں رکھائیں وہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ ان کا انکار کرتے رہے۔

فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَخْزَىٰ ۖ وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ (۱۶)

عاد پر عذاب

'ریح صرصر' سے مراد وہ بادِ تند ہے جو عرب میں شدید سردیوں کے زمانے میں شمال سے چلتی ہے اور جس کے ساتھ سرما کے بادل بھی ہوتے ہیں اور گرج چمک بھی۔

'ایام نحسات' سخت سردی کے ان دنوں کو بھی کہتے ہیں جن میں سردی کی شدت کے سبب سے ہر چیز پر اداسی، افسردگی، خشکی اور ایک قسم کی نحوست چھا جاتی ہے۔

فرمایا کہ چونکہ انھوں نے استکبار اور حق سے اعراض کی روش اختیار کر لی اس وجہ سے ہم نے ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب چکھانے کے لیے، ان پر سرما کی نحوست کے ایام میں، بادِ صرصر مسلط کر دی جس نے ان کو بالکل تاراج کر کے رکھ دیا۔ اس طرح وہ ان لوگوں کی نگاہوں میں بھی ذلیل ہوئے جن کے انذار کے جواب میں وہ 'مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً' کا نعرہ لگاتے تھے اور اپنی دوسری ہم چشم قوموں کی نگاہوں میں بھی ایک نمونۂ عبرت بن کر رہ گئے اور اس عذابِ دنیا کے بعد ان کو عذابِ آخرت سے بھی سابقہ پیش آنا ہے جو اس عذاب سے بھی زیادہ رسوا کن ہوگا اس لیے کہ اس کی رسوائی ابدی اور تمام خلائق کے سامنے ہوگی۔

'وَهُمْ لَا يُنصَرُونَ' - اور اس دن کسی طرف سے بھی ان کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔ نہ ان کی وہ قوت و جمعیت ان کے کچھ کام آئے گی جس پر وہ نازاں رہے اور نہ ان کے وہ دیوی دیوتا کچھ کام آئیں گے جن کی حمایت میں انھوں نے اللہ اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی۔

وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَىٰ عَلَى الْهُدَىٰ فَأَخَذَتْهُمْ صَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (۱۷)

ثمود کا رویہ اور ان پر عذاب

فرمایا کہ یہی حال عاد کے بعد ثمود کا بھی ہوا۔ ہم نے ان کے لیے بھی ہدایت کی راہ کھولی لیکن انھوں نے ہماری ہدایت پر اپنی ضلالت ہی کو ترجیح دی بالآخر ان کے اعمال کی پاداش میں ہم نے ان کو بھی ذلت کے عذاب میں پکڑا اور وہ بالکل پامال و ذلیل ہو کر رہ گئے۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ ان کے عذاب کی نوعیت بھی کم و بیش وہی تھی جس کی وضاحت قوم عاد کے عذاب کے سلسلہ میں ہو چکی ہے۔ نظائر قرآن کی روشنی میں اس کی تفصیل اس کے محل میں ہم پیش کر چکے ہیں۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (۱۸)

یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان عذابوں سے نجات دی۔ سنت الٰہی یہ ہے

اِ جو لوگ رسولوں پر ایمان لائے اور انذار سے متنبہ ہو کر انھوں نے تقویٰ کی زندگی اختیار کر لی اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب سے بچا لیا۔ اس آیت میں اشارہ عاد اور ثمود دونوں قوموں کے مومنین کی طرف ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں تفصیل ہے کہ ان قوموں میں سے جو لوگ ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے رسول کے ساتھ ان کو بھی عذاب سے محفوظ رکھا۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ (۱۹)

دنیا کے عذاب کے بعد آخرت کی رسوائی

دنیا کے عذاب کے بعد اب یہ ان کی اس رسوائی اور عذاب کا ذکر آ رہا ہے جس سے ان کو قیامت کے دن سابقہ پیش آئے گا۔

'یُحْشَرُ' کے بعد 'اِلٰی' کا صلہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں یہ لفظ 'یُسَاقُوْنَ' یا اس کے ہم معنی کسی لفظ پر متضمن ہے۔ 'یُوْزَعُوْنَ' کی وضاحت سورۂ نمل کی آیت ۱۷ کے تحت ہو چکی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے ترجمہ میں لفظ کے اس مفہوم کا لحاظ رکھا ہے۔

فرمایا کہ اس دن کا بھی دھیان کرو جس دن اللہ کے یہ سارے دشمن ہانک کر جہنم کے پاس اکٹھے کیے جائیں گے اور وہاں ان کی درجہ بندی ہوگی۔ جو جہنم کے جس طبقہ کے سزاوار ٹھہریں گے وہ اپنے مخصوص دروازے سے اس طبقہ میں داخل ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ الگ الگ مجرمین کے ساتھ، ان کے اعمال کے اعتبار سے، الگ الگ معاملہ ہوگا۔

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۲۰)

فرمایا کہ جب دوزخ کے پاس سب اکٹھے ہو لیں گے تو یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کون کس درجہ کا مجرم اور جہنم کے کس طبقہ کا سزاوار ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی زحمت پیش نہیں آئے گی اس لیے کہ اس دن کوئی اپنے کسی عمل کو چھپا نہیں سکے گا۔ آدمی کے کان، آنکھ، بلکہ اس کے جسم کے رونگٹے تک اس کے تمام اعمال کی گواہی دیں گے۔

لفظ 'جُلُوْد' یہاں خاص کے بعد عام کی حیثیت سے آیا ہے۔ 'سمع' اور 'بصر' کا خاص گواہ ہونا تو واضح ہے کہ ہر چیز کے سننے اور دیکھنے والے یہی ہیں لیکن آدمی کے پاس اور بھی اعضاء و جوارح ہیں جن سے وہ بدی یا نیکی میں کام لیتا ہے۔ لفظ 'جلود' نے ان سب کا احاطہ کر لیا ہے۔ گویا اس دن آدمی کے بدن کا رواں رواں گواہی کے لیے زبان بن جائے گا۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ لفظ 'جلود' قرآن مجید میں رونگٹوں کے مفہوم میں آیا ہے۔ آیت 'تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ ...... الاٰية' (الزمر: ۲۳) کے تحت لفظ کے اس مفہوم پر ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (۲۱)

آدمی کے اعضاء کی گواہی خود اس کے خلاف

اپنے اعضاء کی گواہی خود اپنے خلاف سن کر وہ اپنے سر پیٹ لیں گے اور ان کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ جواب دیں گے کہ آج تو ہر چیز ناطق بن گئی ہے تو جس نے ہر چیز کو آج ناطق بنا دیا ہے اسی نے ہم کو بھی ناطق بنا دیا ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے یہ بات معلوم ہوتی

ہے کہ قیامت کے دن ہر چیز اپنی ساری سرگزشت سنا دے گی۔ مثلاً فرمایا ہے: إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا (الزلزال: ۱-۴) (جب کہ زمین پوری شدت کے ساتھ ہلا دی جائے گی اور زمین اپنے سارے بار بوجھ نکال پھینکے گی اور انسان پکار اٹھے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے!! - اس دن وہ اپنی سرگزشت سنا ڈالے گی)

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز ناطق تو آج بھی ہے اس لیے کہ ہر چیز اللہ کی نشانی ہے اور اس کی قدرت و حکمت اور رحمت و ربوبیت کی گواہ بن کر وہ انسان پر حجت قائم کر رہی ہے لیکن آج ان کی گواہی کو صرف وہی لوگ سن رہے ہیں جن کے دل بیدار ہیں۔ البتہ قیامت کے دن ان کی گواہی سب سنیں گے اور سب ان کی تصدیق کریں گے اس لیے کہ جو حجابات آج حائل ہیں وہ اس دن دور ہو جائیں گے۔

'وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ'۔ اگرچہ یہ بات بھی اسی بات کا ایک حصہ ہو سکتی ہے جو 'جُلُودُ' کی زبان سے نقل ہوئی ہے لیکن میرے نزدیک اس کا عطف اصل سلسلۂ کلام پر ہے۔ 'جُلُودُ' سے سوال اور ان کے جواب کا ذکر بیچ میں بطور جملہ معترضہ آ گیا ہے۔ اصل بات جو اوپر فرمائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس دن ان کے کان، آنکھ اور ان کے دوسرے تمام اعضا ان کے خلاف گواہی دیں گے اور مقصود اس سے اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ جب صورت حال یہ ہے کہ آدمی کے اپنے ہی اعضا اس کے سارے راز کھول دینے کے لیے ناطق ہو جائیں گے تو کسی اور کی گواہی اور شہادت و شفاعت اس کے لیے کیا نافع ہو سکے گی، مدعی کی اپنی گواہی تو لاکھوں کی گواہی پر بھاری ہو سکتی ہے۔ اسی پر عطف کرتے ہوئے فرمایا کہ اور یہ بات بھی یاد رکھو کہ اسی نے تم کو اول بار پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ یعنی اگر تم نے یہ امید باندھ رکھی ہے کہ تمہاری واپسی تمہارے ان مزعومہ دیویوں دیوتاؤں میں سے کسی کی طرف ہو گی جن کی تم پرستش کرتے ہو تو یہ خیال محض وہم پر مبنی ہے۔ جن کو خلق و تدبیر میں کوئی دخل نہیں ہے آخر وہ مولیٰ و مرجع کس طرح بن جائیں گے!

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِنْ ظَنَنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ (۲۲)

'تَسْتَتِرُونَ' کا مفہوم

'تَسْتَتِرُونَ' کی تاویل بعض اہل تاویل نے 'تَخَافُونَ' سے کی ہے۔ ان کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ تم یہ اندیشہ نہیں رکھتے تھے کہ تمہارے کان، آنکھ اور دوسرے اعضا تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔ میرے نزدیک لفظ کی یہ تعبیر صحیح ہے۔ یہ لازم سے ملزوم پر استدلال کی نوعیت کی ایک چیز ہے جس کی مثالیں ہر زبان میں مل سکتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر وہ یہ اندیشہ رکھتے ہوتے تو کوئی برا کام کرتے ہوئے ان سے چھپتے لیکن جب ان سے وہ نہیں چھپتے تھے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ ان سے کوئی اس نوعیت کا اندیشہ نہیں رکھتے تھے۔

'وَلَٰكِنْ ظَنَنْتُمْ ..... الآية'۔ 'لٰكِنْ' یہاں 'بَلْ' کے مفہوم میں ہے یعنی اعضا کی گواہی کا اندیشہ تو در کنار تمہاری بلادت کا تو یہ عالم رہا ہے کہ تم خدا کے متعلق بھی اس گمان میں مبتلا رہے ہو کہ اس کو بھی

تمہارے بہت سے اعمال کی خبر نہیں ہوتی۔

۴۔ آگے کا مضمون ــــ آیات: ۲۵-۳۶

قیامت کے دن کفر کے سرغنوں اور ان کے پیروؤں کا جو حال ہوگا پہلے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ آج تو قرآن کی مخالفت کے لیے انھوں نے آپس میں بڑا گٹھ جوڑ کر رکھا ہے لیکن جب اس کا انجام سامنے آئے گا تو وہ ایک دوسرے کے ایسے جانی دشمن بن جائیں گے کہ عوام اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کریں گے کہ ان کے لیڈر ان کو دکھا دیے جائیں کہ وہ ان کو اپنے قدموں سے روند ڈالیں۔

اس کے بعد ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جو ان تمام غوغا آرائیوں کے علی الرغم توحید پر ثابت قدم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ان کے پاس بشارت لے کر آئیں گے کہ اب آپ کی آزمائشوں کا دور ختم ہو گیا۔ آگے اب آپ لوگوں کے لیے ابدی بادشاہی کی جنت ہے۔

اسی ذیل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ سب سے زیادہ مبارک دعوت تم لے کر آئے ہو۔ اگر تمھارے نادان مخالفین اس کی قدر نہیں کر رہے ہیں، اس کو گوشِ دل سے سننے کے بجائے، اس میں گڑبڑ پیدا کرنی چاہتے ہیں تو تم ان کی ان بدتمیزیوں کا مقابلہ عفو و درگزر سے کرو۔ تمہاری یہی کریمانہ روش تمھاری دعوت کے لیے موجب خیر و برکت ہوگی ـــــ آیات کی تلاوت کیجیے۔

آیات ۲۵-۳۶

وَقَيَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيۡنَ أَيۡدِيهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَحَقَّ عَلَيۡهِمُ ٱلۡقَوۡلُ فِيٓ أُمَمٖ قَدۡ خَلَتۡ مِن قَبۡلِهِم مِّنَ ٱلۡجِنِّ وَٱلۡإِنسِۖ إِنَّهُمۡ كَانُوا خَٰسِرِينَ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسۡمَعُوا لِهَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانِ وَٱلۡغَوۡا فِيهِ لَعَلَّكُمۡ تَغۡلِبُونَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيقَنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابٗا شَدِيدٗا وَلَنَجۡزِيَنَّهُمۡ أَسۡوَأَ ٱلَّذِي كَانُوا يَعۡمَلُونَ ﴿٢٧﴾ ذَٰلِكَ جَزَآءُ أَعۡدَآءِ ٱللَّهِ ٱلنَّارُۖ لَهُمۡ فِيهَا دَارُ ٱلۡخُلۡدِ جَزَآءَۢ بِمَا كَانُوا بِـَٔايَٰتِنَا يَجۡحَدُونَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَآ أَرِنَا ٱلَّذَيۡنِ

اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا
مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا
تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا
بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ
فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ
قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ
هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ
حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا
ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ
بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

ع ۴ ۱۸

ترجمۂ آیات ۲۵-۳۶

اور ہم نے ان پر بُرے ساتھی مسلّط کر دیے، تو انھوں نے ان کے آگے اور پیچھے
کی ہر چیز ان کو خوشنما بنا کر دکھائی، بالآخر ان پر بھی وہی بات پوری ہو کے رہی جو
جنّوں اور انسانوں کے ان گروہوں پر پوری ہوئی جو ان سے پہلے گزر چکے تھے، وہ
نامراد ہونے والوں میں سے بنے! ۲۵

اور کفر کرنے والوں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے بیچ میں شور و شغب
برپا کرو تا کہ تم غالب رہو۔ پس ہم ان کافروں کو سخت عذاب چکھائیں گے اور ان کو

ان کے عمل کا بدترین صلہ دیں گے۔ یہ اللہ کے دشمنوں کا بدلہ ہے: یعنی دوزخ! ان کے لیے اسی میں ہمیشگی کا ٹھکانا ہوگا، بدلے میں اس بات کے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے تھے۔ ۲۶-۲۸

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہیں گے، اے ہمارے رب! ہمیں ان لوگوں کو دکھا جنھوں نے جنّوں اور انسانوں میں سے ہم کو گمراہ کیا، ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے ڈالیں گے' وہ ذلیل ہوں۔ ۲۹

بے شک ان لوگوں پر جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر ثابت قدم رہے، فرشتے اتریں گے کہ اب نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ کوئی غم اور اس جنت کی خوش خبری قبول کرو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی رہے اور آخرت کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی ہیں اور تم کو اس جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو تمھارا دل چاہے گا اور تمھارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو گے۔ ــــــ ربِّ غفور و رحیم کی طرف سے سامانِ ضیافت کے طور پر! ۳۰-۳۲

اور اس سے بڑھ کر اچھی بات کس کی ہو گی جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں! اور بھلائی اور برائی دونوں یکساں نہیں ہیں۔ تم برائی کو اس چیز سے دفع کرو جو زیادہ بہتر ہے تو تم دیکھو گے کہ وہی، جس کے اور تمھارے درمیان عداوت ہے، گویا وہ ایک سرگرم دوست بن گیا ہے۔ اور یہ دانش نہیں ملتی مگر انھی لوگوں کو جو ثابت قدم رہنے والے ہوتے ہیں اور یہ حکمت نہیں عطا ہوتی مگر انھی کو جو بڑے نصیبہ ور ہوتے ہیں! اور اگر شیطان تمھارے دل میں کوئی

اُکساہٹ پیدا کر ہی دے تو اللہ کی پناہ ڈھونڈو۔ بے شک حقیقی سننے والا جاننے والا وہی ہے۔ ۳۳-۳۶

۵۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ (۲۵)

اللہ کی یاددہانی سے اعراض کا انجام

یعنی ان لوگوں کے اس انجام سے دوچار ہونے کا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے اللہ کی یاددہانی سے اعراض کیا اور اس کے رسولوں کی تعلیم پر کان دھرنے کے بجائے اس کی ناقدری کی۔ اس کی سزا اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دی کہ ان پر نہایت بُرے لیڈر مسلط کر دیے جنھوں نے ان کو خوب خوب سبز باغ دکھائے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وہ وعدۂ عذاب ان کے بارے میں بھی پورا ہو کے رہا جو ان سے پہلے گزرنے والی نافرمان قوموں پر پورا ہوا۔

'وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ' میں اس سنتِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر سورۂ زخرف میں بدیں الفاظ گزر چکا ہے: 'وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ' (الزخرف: ۳۶) (اور جو اللہ کی تذکیر سے آنکھیں بند کر لیتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں پس وہ اس کا ساتھی بن جاتا ہے) یہ شیطان جنّوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی اور جب کوئی قوم اپنی خدافراموشی کے سبب سے ایسے شیطانوں کو اپنے اوپر مسلّط کر لیتی ہے تو پھر یہ شیاطین اس کی جان اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک اس کو عذابِ الٰہی میں گرفتار نہ کرا لیں۔

'فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ'۔ یعنی وہ قوم کے ماضی و حاضر کو اس طرح مزیّن کر کے اس کے آگے پیش کرتے ہیں کہ اس کو اپنے اعمال و کردار اور عقائد و نظریات میں کسی پہلو سے کوئی خلا نظر نہ آئے تاکہ انبیاء اور مصلحین کی تذکیر و تنبیہ سے بالکل بے پروا ہو کر وہ اسی راہ پر چلتی رہے جس پر وہ اس کو چلانا چاہتے ہیں۔

'وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ' میں 'القول' سے مراد عذابِ الٰہی کی وہ دھمکی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول کی تکذیب کرنے والی قوموں کو دی اور جو ان تمام قوموں پر پوری ہوئی جنھوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ ان میں سے بعض قوموں کے عذاب کا اجمالی حوالہ اوپر اس سورہ میں بھی گزر چکا ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (۲۶)

حق سے روکنے کے لیے گنڈوں کا ہتھیار

'اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا' اگرچہ لفظاً عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد کفر کے وہ سرغنے ہیں جو مشرکین عرب پر مسلط تھے اور جن کے رویہ پر اوپر والی آیت میں اجمالی تبصرہ ہوا ہے۔ فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کی دعوت سے لوگوں کو روکنے کے لیے اپنے گنڈوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ جب دیکھو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگوں کو قرآن سنا رہے ہیں تو نہ اس کو خود سنو اور نہ دوسروں کو سننے دو بلکہ اپنے شور و شغب اور اپنی ہوٹنگ سے ایسا گھپلا پیدا کرو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات بالکل دب جائے اور تمھاری بات اونچی رہے۔

فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِیْدًا وَّلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (۲۷)

فرمایا کہ یہ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کرلیں ہم بھی ان کی ان حرکتوں کی پاداش میں ایک عذابِ شدید کا مزا ان کو چکھائیں گے۔ اور ان کے اعمال کا وہ بدترین پہلو ان کے سامنے لائیں گے جن کا ان کو ابھی کوئی اندازہ نہیں ہے۔

اعمال کے اثرات کا صحیح اندازہ آخرت ہی میں ہوگا

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اس دنیا میں انسان اپنے اعمال کے اثرات و نتائج کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتا۔ انسان کا ہر عمل، خواہ وہ نیک ہو یا بد، اپنے اندر متعدی اثرات رکھتا ہے۔ اپنی اس صفت کے سبب سے بعض حالات میں انسان کی ایک چھوٹی سی نیکی بڑھتے بڑھتے اُحد پہاڑ کے برابر بن جاتی ہے۔ اسی طرح ایک برائی جو اپنے ابتدائی مرحلے میں معمولی نظر آتی ہے آہستہ آہستہ ایک خوفناک جنگل بن جاتی ہے۔ قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے قتلِ ناحق کی جو طرح ڈالی وہ ایک ایسی متعدی برائی نکلی کہ دنیا کے ہر قتلِ ناحق میں سے ایک حصہ برابر اس کے کھاتے میں بھی جمع ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب قیامت میں ہر شخص کے سامنے اس کے اعمال کے نتائج آئیں گے تب ہی وہ صحیح صحیح اندازہ کر سکے گا کہ اس کی فلاں برائی کس درجہ کی برائی تھی۔ اسی حقیقت کی طرف یہاں 'وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ' کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے کہ ابھی ان نادانوں کو اندازہ نہیں ہے کہ قرآن سے لوگوں کو روک کر اور اس میں گھپلا پیدا کر کے یہ اپنے لیے کیسی بس بھری فصل تیار کر رہے ہیں جب اس کا پورا حاصل ان کے سامنے آئے گا تب وہ اس کا بدترین پہلو (اسوأ) دیکھیں گے اور اس وقت انھیں اندازہ ہوگا کہ اپنی تباہی کا کیا سامان کر کے وہ آئے ہیں۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِیْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ (۲۸)

'ذٰلِكَ' کا اشارہ اسی بدترین جزا (جزاء اسوأ) کی طرف ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔ 'اَعْدَآءِ اللّٰهِ' سے مراد یہاں قرینہ دلیل ہے کہ قریش کے وہی لیڈر ہیں جو اپنے گنڈوں کے ذریعہ سے قرآن کی دعوت دبا دینے کے درپے تھے۔ 'النَّارُ' مستقل جملہ ہے۔ خبر پر زور دینے کے لیے اس میں مبتدا

کو حذف کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ جزا جو بیان ہوئی ہے ان لوگوں کے سامنے آئے گی جو آج اللہ اور اس کے دین کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔ اور اس بات کو خوب سمجھ لو کہ اس سے مراد دوزخ ہے۔ اسی میں ان کفر کے سرغنوں کے گھر ہوں گے جن میں ان کو ہمیشہ رہنا ہوگا۔ یہ سزا ان کو اس جرم میں ملے گی کہ وہ برابر اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے۔ نہ خود ان کی طرف توجہ کی اور نہ دوسروں کو ان کی طرف متوجہ ہونے دیا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرِنَا الَّذَيْنِ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ (۲۹)

عوام کا غصہ اپنے لیڈروں کے خلاف

یہاں بھی اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا اگرچہ لفظاً عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد وہ عوام ہیں جو اپنے لیڈروں کے ورغلانے سے گمراہ ہوئے۔ نہ انھوں نے خود قرآن کی طرف توجہ کی اور نہ دوسروں کو، جہاں تک ان کا بس چلا، اس کی طرف متوجہ ہونے دیا۔ فرمایا کہ جو عوام آج اس وفاداری کے ساتھ اپنے لیڈروں کی پیروی کر رہے ہیں جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے لیڈروں نے ان کو کس گھاٹ پر لا کر اتارا ہے تو وہ غصہ سے دانت پیسیں گے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ اے رب! جن انسانوں اور جنوں نے ہم کو بے راہی دکھائی ہے، ایک نظر تو ان کو ہمیں دکھا دے کہ ہم ان کو اپنے قدموں کے نیچے روند کر ان کے استکبار اور ان کی لیڈری کا مزا ان کو چکھا دیں اور ان کو ذلیل کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر لیں۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (۳۰)

ایمان پر ثابت قدم رہنے والوں کو بشارت

قیامت کے دن مخالفین حق کا جو حشر ہوگا اس کو سنانے کے بعد اب یہ ان لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے جنھوں نے رسول کی دعوت قبول کر لی اور پھر تمام مخالفتوں سے بے پروا ہو کر، پوری یکسوئی و دلجمعی کے ساتھ اس پر جم گئے۔ فرمایا کہ قیامت کے دن فیصلۂ امور سے پہلے ان کی دلداری و تسلی کے لیے ان کے پاس اللہ کے فرشتے آئیں گے جو ان کو اطمینان دلائیں گے کہ بس اب آپ لوگوں کی آزمائش کا دور ختم ہوا، اب آپ کے لیے نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی غم، اب آپ لوگ اس جنت کی بشارت قبول کریں جس کا نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے دنیا میں آپ لوگوں سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔

نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ (۳۱)

اہل ایمان کو اس دنیا میں بھی فرشتوں کی معیت حاصل ہوتی ہے

یعنی کفار کے ساتھی تو شیاطین جن و انس بنے رہے اور انھوں نے بالآخر جہنم کے گھاٹ پر ان کو لا اتارا لیکن آپ کے ساتھی دنیا میں بھی ہم رہے ہیں اور آخرت میں بھی ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ اب جو جنت آپ لوگوں کو ملنے والی ہے اس میں آپ کے لیے وہ سب کچھ ہے جس کو آپ کا جی چاہے گا اور مزید وہ چیزیں بھی آپ کو ملیں گی جو آپ طلب کریں گے۔

یہ امر یہاں واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس دنیا میں بھی اہل ایمان کے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ ان کو نیکی کی راہ بھی سجھاتے ہیں اور اس راہ میں جو مشکلیں پیش آتی ہیں ان میں ہمت بھی بندھاتے ہیں۔ ان کی مدد سے انسان اسی وقت محروم ہوتا ہے جب وہ ان کی رہنمائی و حوصلہ افزائی کی قدر کرنے کے بجائے اپنی باگ کلیتہً شیطان کے ہاتھ میں پکڑا دیتا ہے۔ فرشتوں کی مدد و معیت پر سورۂ انفال کی تفسیر میں ہم وضاحت سے لکھ چکے ہیں۔

نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ (۳۲)

'نُزُلٌ' مہمان کی ابتدائی ضیافت کو کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو جو کچھ آپ لوگوں کو ملے گا اس کی حیثیت ابتدائی ضیافت کی ہے۔ آگے جو کچھ ملنے والا ہے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

وَمَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ (۳۳)

اسلام کی دعوت سے بڑھ کر کوئی دعوت نہیں

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی بھی ہے اور آپ کے ان مخالفین کے لیے ملامت بھی جو کہتے تھے کہ قُلُوۡبُنَا فِىۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِىۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ (حٰمٓ السجدۃ : ۵) (ہمارے دل تمہاری دعوت سے پردے میں ہیں اور ہمارے کان بہرے ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب حائل ہے) مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ تمہاری بات نہیں سن رہے ہیں اور مخالفت کے جنون میں اس حد تک بڑھ گئے ہیں کہ لوگوں کو یہ سکھاتے پھر رہے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور جب اس کو سنانے کی کوشش کی جائے تو شور و شغب سے اس کو دبا دو، تو اب ان لوگوں کے زیادہ درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ ساری خرابی خود انہی لوگوں کے اندر ہے، اس میں تمہارا یا تمہاری دعوت کا کوئی قصور نہیں ہے۔ تمہاری دعوت اللہ کی توحید اور اس کی بندگی کی دعوت ہے۔ آخر اس دعوت سے بڑھ کر اس آسمان کے نیچے اور کس بات کی دعوت ہو سکتی ہے! تم اس دعوت کے ساتھ ساتھ خود بھی عمل صالح کے پیکر ہو اور اسی کی دعوت دوسروں کو بھی دے رہے ہو، یہ اس بات کی ناقابلِ انکار شہادت ہے کہ تم کوئی مصنوعی قسم کے آدمی نہیں ہو اور نہ تم ملک میں کوئی فساد برپا کرنا چاہتے ہو۔ بلکہ تمہارے قول اور عمل میں پوری مطابقت ہے اور تم اس زمین میں نیکی اور عدل قائم کرنا چاہتے ہو۔ تمہارا قول یہ ہے کہ 'اِنَّنِىۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ' (میں اپنے رب کے فرمانبرداروں میں سے ہوں) اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ لوگوں پر تم اپنی حکومت و سیادت قائم کرنے کی فکر میں سرگرداں نہیں ہو بلکہ سب کو اللہ کا مُسلم اور فرمانبردار بنانا چاہتے ہو۔ یہی اسلام اس تمام کائنات کی فطرت ہے اور اسی دین کی دعوت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دی جن کے یہ لوگ نام لیوا ہیں۔ اگر ان واضح حقائق کے بعد بھی یہ لوگ تمہاری دعوت کی مخالفت پر کمربستہ ہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ کرو۔ ان کے دلوں کے پردے اللہ کے سوا کوئی دوسرا

نہیں ہٹا سکتا۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (۳۴)

ایک داعی کے لیے مخالفین کے ساتھ صحیح رویّہ

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رویّے کی تعلیم دی گئی ہے جو مخالفین کی بدتمیزیوں کے مقابل میں آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو اختیار کرنا ہے۔ فرمایا کہ اچھا رویّہ اور بُرا رویّہ دونوں یکساں نہیں ہو سکتے۔ آخرت کے انجام اور مقصدِ دعوت کے اعتبار سے دونوں کے اثرات، و نتائج میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کی بدتمیزیوں کے جواب میں وہ رویّہ اختیار کرو جو زیادہ بہتر ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ تمھارے دشمنوں میں سے جن کے اندر کچھ صلاحیت ہے، تمھاری دعوت کی معقولیت اور تمھارے شریفانہ رویّہ سے متاثر ہو کر، تمھارے سرگرم حامی بن جائیں گے۔

'اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ' لوگوں کی بدتمیزیوں کے مقابل میں احسن طریقہ اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ کسی برائی کے جواب میں برابر سرابر کا طرزِ عمل اختیار کرنا آدمی کے لیے جائز ہے لیکن صبر اور عفو و درگزر کا رویّہ زیادہ بہتر ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند یہ ہے کہ اس کے صالح بندے یہی رویّہ اختیار کریں۔ یہ ہدایت بالکل اسی سیاق و سباق میں متعدد جگہ قرآن میں دی گئی ہے۔ ایک نظیر سورۂ نحل سے ہم پیش کرتے ہیں جس سے اس آیت کی وضاحت ہوتی ہے۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اپنے رب کے راستہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور ان سے اس طریقہ
بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ	پر بحث کرو جو اس کا اچھا طریقہ ہے۔ بے شک تمھارا
هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ	رب خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کی راہ سے
سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝	بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے ان کو بھی جو
وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ	ہدایت یافتہ ہیں اور اگر تم ان کی کسی بات کا بدلہ لو تو
مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ	بس اسی کے مانند بدلہ لو جو تمھارے ساتھ کیا گیا ہے
صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝	اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے زیادہ
(النحل: ۱۲۵-۱۲۶)	بہتر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ مخالفین کی تعدّیوں کا جواب دینے کا حق ایک شخص کو حاصل ہے لیکن دعوت و اصلاح کے نقطۂ نظر سے صبر اور عفو و درگزر کا طریقہ زیادہ بہتر ہے اس وجہ سے اسی زیادہ بہتر طریقہ کو اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہ رویّہ اہلِ ایمان کو اس وقت تک اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے

جب تک مخالفین پر اچھی طرح اتمامِ حجّت نہ ہو جائے۔ اگر اتمامِ حجّت ہو چکا ہو لیکن اس کے باوجود مخالفین اپنی روشِ مخالفت سے باز نہ آ رہے ہوں بلکہ اہلِ حق اور دعوتِ حق کو مٹا دینے کے درپے ہوں تو اس وقت، واضح اعلانِ براءت کے بعد ان کی پوری سرکوبی بھی کی جا سکتی ہے۔ اس صورت میں عفو و درگزر کے بجائے زیادہ بہتر طریقہ بلکہ بعض حالات میں واحد طریقہ یہی ہو گا۔ چنانچہ جن اہلِ مکہ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کو یہ رویہ اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے انہی کے ساتھ اتمامِ حجت کے بعد وہ رویہ اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی جس کی تفصیلات سورۂ براءت میں گزر چکی ہیں۔

سلیم الفطرت لوگوں پر شریفانہ رویہ کا اچھا اثر پڑتا ہے

'فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ'۔ یہ بات انسان کی عام فطرت کو پیشِ نظر رکھ کر ارشاد ہوئی ہے۔ جن کی فطرت مسخ نہیں ہو چکی ہوتی ہے وہ جب دیکھتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں کی بہی خواہی و ہمدردی میں اتنا بے چین ہے کہ ان کی تمام گستاخیوں اور بدتمیزیوں کے باوجود اپنے کریمانہ رویہ میں کوئی فرق آنے نہیں دیتا بلکہ لوگوں کی اینٹوں اور پتھروں کا جواب دعاؤں سے دیتا ہے تو ان کے دلوں میں اگر اس کے خلاف کسی غلط فہمی کے باعث عداوت بھی ہو تو اس کے اس طرزِ عمل سے متاثر ہو کر ان کی یہ عداوت محبت سے بدل جاتی ہے اور وہ اس کے جاں نثار ساتھیوں میں سے بن جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں سب سے زیادہ مؤثر عامل کی حیثیت آپ کے اسی کردار کو حاصل رہی ہے۔ آپ کے دشمنوں میں سے جن کے اندر شرافت کا جوہر موجود تھا وہ سب آپ کے اسی کردار سے متاثر ہو کر آپ کے وفادار اور اسلام کے جاں نثار بنے۔ صرف وہی اشقیاء اس چیز سے متاثر نہیں ہوئے جن کی فطرت بالکل مسخ ہو چکی تھی۔

وَمَا یُلَقّٰہَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰہَآ اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِیْمٍ (۳۵)

ایک گنج گراں مایہ

ضمیرِ مفعول کا مرجع یہاں الفاظ میں مذکور نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ حکمت و موعظت ہے جس کی ہدایت اوپر والی آیت میں فرمائی گئی ہے۔ عربی زبان میں اس طرح ضمیر لانے کا طریقہ معروف ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۴۵ 'وَاِنَّہَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ' کے تحت اس ضمیر کی نوعیت پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ فرمایا کہ اس حکمت کے حامل صرف وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر صبر کی صفت ہوتی ہے اور یہ حکمت کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک گنجِ گراں مایہ ہے، بڑے ہی نصیبہ ور ہیں وہ لوگ جو اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں!

اس آیت سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔

ایک یہ کہ اوپر جو بات فرمائی گئی ہے وہ ایک عظیم حکمت ہے۔

دوسری یہ کہ اس حکمت کے حامل صرف وہ لوگ ہو سکتے ہیں جن کے اندر صبر کا جوہر ہو۔ جن کے

اندر یہ جوہر نہ موجود ہو وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اس وجہ سے اس کے طالبوں کو اپنے اندر صبر کی صفت راسخ کرنی چاہیے۔

تیسری یہ کہ یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک لازوال خزانہ ہے اس وجہ سے ہر ہمت ور کو اس کے حاصل کرنے کے لیے بازی کھیلنی چاہیے۔ بڑے ہی خوش بخت و بلند اقبال ہیں وہ لوگ جو اس بازی میں کامیاب ہو جائیں۔

شیطان کی اکساہٹ کا علاج

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (۳۶)

یہ علاج بتایا ہے کہ اگر مخالفوں کی شرارت، اور شیطان کی شر انگیزی سے طبیعت میں کوئی ایسا جذبہ اُبھرے جو اس حکمت کے منافی ہو تو اس وقت آدمی کو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ آدمی اگر جذبات کی رَو میں بہہ جانے کے بجائے صدقِ دل سے اللہ کی پناہ کا طالب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور اپنی پناہ میں لے لے گا اور شیطان کو اس پر قابو نہیں پانے دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی سمیع و علیم ہے۔ کوئی بات اس سے مخفی نہیں رہتی۔ بندہ جب صدقِ دل سے شیطان کے مقابل میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہوتا ہے تو وہ ضرور اس کی مدد فرماتا ہے۔

۶۔ آگے کا مضمون — آیات: ۳۷-۴۶

سورہ کی ابتداء میں آفاق کی نشانیوں سے توحید اور معاد پر جو دلیلیں قائم فرمائی ہیں آگے کی آیات میں ان کی مزید وضاحت اور ساتھ ہی ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو اللہ کی آیات کی رہنمائی سے خود بھی منحرف ہیں اور دوسروں کو بھی منحرف کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ قرآن خدائے عزیز کا اتارا ہوا صحیفہ ہے۔ جو لوگ اس کی تکذیب کریں گے وہ نہ اللہ کا کچھ بگاڑیں گے نہ رسول کا بلکہ خود اپنی ہی ہلاکت کا سامان کریں گے۔ اسی ضمن میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب اور اہلِ کتاب دونوں ہی پر ایک عظیم احسان فرمایا ہے۔ اگر انھوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی تو اس کا انجام خود بھگتیں گے۔ اللہ نے ان پر حجت تمام کر دی ہے اس وجہ سے اب جس انجام سے بھی وہ دوچار ہوں یہ اسی کے سزاوار ہیں۔ یہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ـــــ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۳۷-۴۶

وَمِنۡ اٰیٰتِہِ الَّیۡلُ وَالنَّہَارُ وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ ؕ لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَلَا لِلۡقَمَرِ وَاسۡجُدُوۡا لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَہُنَّ اِنۡ کُنۡتُمۡ

إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿٣٧﴾ فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ
يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ﴿٣٨﴾ السجدة وَمِنْ آيٰتِهِ
أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ إِنَّهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ
عَلَيْنَا ۗ أَفَمَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۙ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٠﴾
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ وَإِنَّهُ لَكِتٰبٌ
عَزِيزٌ ﴿٤١﴾ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ
تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾ مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ
لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ
أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ
آيٰتُهُ ۖ ءَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَ
شِفَاءٌ ۖ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ
عَمًى ۚ أُولٰئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا
مُوسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ ۗ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ
لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ﴿٤٥﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا
فَلِنَفْسِهِ ۖ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ۗ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿٤٦﴾

ترجمہ آیات ۳۷-۴۶

اور اسی کی نشانیوں میں سے رات اور دن، سورج اور چاند بھی ہیں۔ نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو، بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔ ۳۷

پس اگر یہ تکبر کریں (تو کریں)، جو فرشتے تیرے رب کے پاس ہیں وہ اسی کی تسبیح کرتے ہیں شب و روز، اور وہ کبھی نہیں تھکتے۔ ۳۸

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ چیز بھی ہے کہ تم زمین کو دیکھتے ہو بالکل بے جان، پس جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو وہ متحرک ہو جاتی اور پھول جاتی ہے۔ بے شک جس نے اس کو زندہ کر دیا وہ مُردوں کو بھی زندہ کر دینے والا ہے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۳۹

جو لوگ ہماری نشانیوں کے باب میں کج روی اختیار کر رہے ہیں وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں۔ کیا وہ بہتر ہے جو دوزخ میں ڈالا جائے گا یا وہ جو قیامت کے دن امن کے سایہ میں آئے گا! کر لو جو تم چاہو۔ وہ اچھی طرح دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو! جن لوگوں نے اللہ کی یاددہانی کا انکار کیا جب کہ وہ ان کے پاس آ گئی ہے (ان کی شامت آئی ہوئی ہے) بے شک یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ اس میں باطل نہ اس کے آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ خدائے حکیم و حمید کی طرف سے نہایت اہتمام کے ساتھ اتاری گئی ہے۔ ۴۱-۴۲

تمھیں وہی باتیں کہی جا رہی ہیں جو تم سے پہلے آنے والے رسولوں کو کہی جا چکی ہیں۔ بے شک تمھارا رب بڑی مغفرت والا بھی ہے اور دردناک عذاب

دینے والا بھی - ۴۳

اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی قرآن کی شکل میں اتارتے تو یہ لوگ یہ اعتراض اٹھاتے کہ اس کی آیات کی وضاحت کیوں نہیں کی گئی! کلام عجمی اور مخاطب عربی! کہہ دو، یہ ان لوگوں کے لیے تو ہدایت اور شفا ہے جو اس پر ایمان لائیں۔ رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لا رہے ہیں تو ان کے کانوں میں بہرا پن ہے اور یہ ان کے اوپر ایک حجاب ہے۔ اب یہ لوگ ایک دُور کی جگہ سے پکارے جائیں گے! ۴۴

اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب عطا کی تھی تو اس میں اختلاف پیدا کر دیا گیا اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ لوگ اس کی طرف سے ایک الجھن میں ڈال دینے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو نیک عمل کرے گا تو اپنے ہی لیے کرے گا اور جو برائی کرے گا تو اس کا وبال اسی پر آئے گا اور تیرا رب بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ ۴۵ - ۴۶

۷ - الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (۳۷)

خدا کی نشانیوں کو خدا نہ بناؤ

سورہ کے شروع میں آیات ۹ - ۱۲ تک آسمان و زمین کی خلقت سے توحید و معاد پر جو استدلال کیا ہے، یہ آیت اسی سے متعلق ہے۔ بیچ میں جو مطالب تنبیہ و تذکیر یا تسکین و تسلی کی نوعیت کے آگئے ہیں وہ اسی مدعا کے تحت ہیں اس وجہ سے ان کے سبب سے کوئی بُعد نہیں پیدا ہوا ہے چنانچہ اسی پر عطف کرتے ہوئے فرمایا کہ جو خدا آسمان و زمین کا خالق ہے اسی خدا کی نشانیوں میں سے یہ رات اور دن، سورج اور چاند بھی ہیں۔ یہ خود اپنی گردش، اپنے ایاب و ذہاب، اپنے عروج و زوال سے اپنی تسخیر اور اپنی محکومیت کی شہادت دے رہے ہیں۔ یہ زبانِ حال سے گواہی دے رہے ہیں کہ

یہ نہ تو خدا ہیں اور نہ کسی پہلو سے خدا کی خدائی میں شریک ہیں بلکہ خالقِ کائنات نے اس کائنات کی مشین میں ان کو پرزوں کی طرح جوڑا ہے اور وہ اس کے حکم سے اپنی مفوّضہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ان کی اس شہادت کے بعد ان کو خدا یا شریکِ خدا سمجھنا محض جہالت و حماقت ہے۔ ان کی حیثیت خدا یا شریکِ خدا کی نہیں بلکہ خدا کی قدرت و حکمت اور رحمت و ربوبیت کی نشانیوں کی ہے اور اس طرح کی نشانیاں صرف یہی نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی بے شمار نشانیاں ہیں جن میں سے یہ بھی ہیں۔

'لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ' یہ اوپر والی بات کا نتیجہ بیان ہوا ہے کہ جب یہ خدا یا شریکِ خدا نہیں بلکہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لیے بنایا ہے تو ان کی عبادت اپنے رب کی بھی تحقیر ہے اور اپنی بھی۔ عبادت کا حق دار صرف اللہ تعالیٰ ہے جس نے رات اور دن، سورج اور چاند ہر چیز کو وجود بخشا اور ان کو انسان کی خدمت میں لگا رکھا ہے۔ 'سجدہ' یہاں عبادت کے مفہوم میں ہے اس لیے کہ یہ عبادت کے سب سے زیادہ نمایاں مظاہر میں سے ہے۔ سورج اور چاند کی عبادت کی ممانعت خاص طور پر اس وجہ سے فرمائی کہ مشرک قوموں نے ہر دور میں ان دونوں کی عبادت کی ہے۔ 'خَلَقَهُنَّ' کی ضمیر جمع ان تمام چیزوں کی طرف لوٹتی ہے۔ جو اوپر مذکور ہوئیں۔

'اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ' یعنی اللہ تعالیٰ کی خالص بندگی کا حق صرف اس طرح ادا ہو سکتا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو سجدہ نہ کیا جائے۔ 'سجدہ' بندگی کی سب سے بڑی علامت ہے اس وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ مشرکینِ عرب اللہ تعالیٰ کے سوا دوسری چیزوں کی جو بندگی کرتے تھے تو اس کے متعلق ان کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ صرف اس لیے وہ کرتے ہیں کہ یہ چیزیں خدا کی قربت کا ذریعہ ہیں۔ گویا ان کی بندگی، ان کے زعم میں، خدا ہی کی بندگی تھی۔ اس ٹکڑے میں ان کے اسی زعم کی تردید ہے کہ خدا کی بندگی اس طرح بلا شرکتِ غیرے ہونی چاہیے کہ اس کی بندگی کی مخصوص علامات میں بھی کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ (۳۸)

خدا کسی کی عبادت کا محتاج نہیں ہے

یعنی اگر یہ لوگ بربنائے استکبار تمہاری بات نہیں سن رہے ہیں اور بڑے طنطنہ کے ساتھ کہتے ہیں کہ تمہاری باتوں کے لیے ان کے کان بہرے اور تمہارے اور ان کے درمیان حجاب حائل ہے تو تم ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ خدا کو ان کی کوئی پروا نہیں اور تم بھی ان کی کوئی پروا نہ کرو۔ یہ اگر خدا کی عبادت نہیں کریں گے تو اس سے خدا کی بزم نہیں اجڑ جائے گی۔ تیرے رب کے پاس جو

فرشتے ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح میں سرگرم ہیں اور ان کے ذوق و شوق کا حال یہ ہے کہ وہ کبھی اس کام سے نہیں تھکتے۔ 'اَلَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّکَ' سے ملائکہ بحیثیت مجموعی مراد ہیں، صرف ملائکہ مقربین مراد نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ملائکہ کی جو صفت، یہاں مذکور ہوئی ہے وہ تمام ملائکہ کی مشترک صفت ہے۔ 'عِنْدَ رَبِّکَ' کے الفاظ سے صرف اس قرب الٰہی کا اظہار مقصود ہے جو ملائکہ کو جنوں اور انسانوں کے مقابل میں حاصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ نا ہنجار لوگ خدا کی بندگی سے گریز کر رہے ہیں تو کریں، جان سے اعلیٰ و اشرف ہیں اور جن کو یہ معبود بنائے بیٹھے ہیں ان کو خدا کی بندگی سے عار نہیں ہے، وہ شب و روز خدا کی حمد و تسبیح میں سرگرم ہیں اور اس طرح سرگرم ہیں کہ ان کی سرگرمی میں ایک پل کے لیے بھی کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنَّکَ تَرَی الْاَرْضَ خَاشِعَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ۭ اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (۳۹)

قیامت کی یاد دہانی

توحید کے بعد یہ قیامت کی یاد دہانی فرمائی کہ جو لوگ قیامت کو مستبعد خیال کر رہے ہیں وہ اس زمین میں اللہ کی نشانیوں کا مشاہدہ کریں۔ دیکھتے ہو کہ زمین بالکل خشک، بے جان اور بے برگ و گیاہ ہوتی ہے کہ ہم اپنی عنایت سے اس پر رحمت کی گھٹا برسا دیتے ہیں تو دیکھتے دیکھتے اس میں زندگی کی حرکت نمایاں ہو جاتی ہے، اس کی پستی میں سبزہ اور نباتات سے ابھار پیدا ہو جاتا ہے اور اس کے ہر گوشے میں روئیدگی اور نشو و نما کی بہار آجاتی ہے۔

'اِنَّ الَّذِیْٓ اَحْیَاھَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰی' فرمایا کہ جو خدا اپنی قدرت سے اس زمین کو بار بار مردہ اور بار بار زندہ کرتا رہتا ہے وہ ضرور اس بات پر قادر ہے کہ انسانوں کو بھی ان کے مر جانے کے بعد جب چاہے اٹھا کھڑا کرے۔ 'اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ' یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر وہ ہر چیز پر قادر نہ ہو تو خدا نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ۭ اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّہٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (۴۰)

اشرار کو تنبیہ

'الحاد' کے معنی انحراف اور کج روی اختیار کرنے کے ہیں۔ 'یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا' کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ کی آیات، اور اس کی نشانیاں تو کسی اور سمت میں رہنمائی کر رہی ہوں لیکن آدمی اپنی دھاندلی، ضد اور کج رائی یا کج بحثی سے کوئی اور راہ اختیار کرے اور لوگوں کو بھی اس کی طرف موڑنے کی کوشش کرے۔

آیت ۲۶ میں قریش کے سرغنوں اور گمراہ لیڈروں کی اس سعی نامراد کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔ اسی قسم کے اشرار کو اس آیت میں دھمکی دی ہے کہ جو لوگ اس طرح کی حرکتیں کر رہے ہیں ان کی حرکتیں ہم سے ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ ہم سب کچھ دیکھ اور سن رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ ہم سے مخفی نہیں ہیں تو ایک دن ہم ان کو اس کا مزا چکھائیں گے۔ یہ بات یہاں مبہم چھوڑ دی ہے اور اس ابہام میں جو غضب کی مضمر ہے وہ محتاج وضاحت

نہیں ہے۔

'اَفَمَنۡ یُّلۡقٰی فِی النَّارِ خَیۡرٌ اَمۡ مَّنۡ یَّاۡتِیۡۤ اٰمِنًا یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ'۔ یہ اسی ابہام کی وضاحت سوالیہ اسلوب میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کی ساری حرکتیں دیکھ رہا ہے تو لوگوں کو چاہیے کہ وہ جو روش بھی اختیار کریں اس سوال کا فیصلہ کر کے اختیار کریں کہ خوش انجام وہ ہے جو دوزخ میں جھونکا جائے گا یا وہ جو محشر میں اس طرح آئے گا کہ ہر خوف سے بالکل بے خوف ہو گا؟ اللہ تعالیٰ کا سب کچھ دیکھنا اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کر دینے پر قادر ہونا جزا اور سزا کو مستلزم ہے اس وجہ سے جس کو بھی اس دنیا میں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ فیصلہ کر کے کرے کہ وہ اپنے لیے دوزخ کا انتخاب کرتا ہے یا جنت کا؟ ان دونوں کی راہیں ہر شخص کے لیے کھلی ہوئی ہیں۔ ان میں سے جس راہ کو آدمی اپنے لیے بہتر سمجھے اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے خیر اور شر کو واضح کر کے ان کے درمیان انتخاب کا فیصلہ ہر شخص کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔

'اِعۡمَلُوۡا مَا شِئۡتُمۡ ۙ اِنَّہٗ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ'۔ یہ اسی اختیار و آزادی کا بیان ہے کہ اللہ نے نیکی اور بدی اور ان دونوں کے انجام کو واضح کر کے تمھیں آزاد چھوڑ دیا ہے کہ چاہے تم نیکی کرو یا بدی البتہ یہ یاد رکھو کہ تم جو کچھ کر رہے ہو، اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اس آخری فقرے میں جو وعید ہے الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالذِّکۡرِ لَمَّا جَآءَہُمۡ ۚ وَ اِنَّہٗ لَکِتٰبٌ عَزِیۡزٌ ﴿ۙ۴۱﴾ لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ ؕ تَنۡزِیۡلٌ مِّنۡ حَکِیۡمٍ حَمِیۡدٍ (۴۱-۴۲)

ایک بلیغ حذف

'ذکر' سے مراد قرآن مجید ہے اس کو ذکر سے تعبیر کرنے کے وجوہ پر اس کے محل میں ہم روشنی ڈال چکے ہیں۔ اسی مضمون کو از سر نو لے لیا ہے جو سورہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ قرآن کا انکار کر رہے ہیں جب کہ وہ ان کے پاس آ چکا ہے، وہ ...... اس کے بعد اس کی خبر حذف کر دی ہے اور اس حذف میں بڑی بلاغت ہے۔ اس سے یہ بات نکلی کہ ان کی بدانجامی ظاہر کرنے کے لیے ان کے اس جرم کی سنگینی ہی کافی ہے۔ اس کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہی روزِ بد دیکھیں گے جو ان سے پہلے رسولوں اور ان کی تعلیمات کے مکذبین دیکھ چکے ہیں۔

ایک بلیغ وضاحت

'کَفَرُوۡا بِالذِّکۡرِ' کے بعد 'لَمَّا جَآءَہُمۡ' کے الفاظ بھی خاص طور پر توجہ کے لائق ہیں۔ اس سے ان کے جرم کی غایت درجہ سنگینی کا اظہار مقصود ہے۔ ایک چیز اگر ایک شخص نے دیکھی نہ ہو اور اس کے حسن و قبح کو پرکھنے کا اس کو موقع نہ ملا ہو اور وہ اس کی ناقدری کرے تو اس کو ایک حد تک معذور قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جس نے قرآن کو دیکھ لیا، اس کے اعجاز کو پرکھ لیا اور اس کے دلائل کی قوت کو اچھی طرح آزما لیا وہ اگر قرآن کا انکار کرتا ہے تو وہ سورج کی تابانی کا اس وقت انکار کر رہا ہے جب وہ اس کے سر پر چمک رہا ہے۔

قرآن کی حفظ صفات کا حوالہ

'وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ' میں یہاں دو پہلو ہیں۔ ایک تہدید و وعید کا' دوسرا قرآن کی پاکیزگی و طہارت کا۔ تہدید و وعید کے پہلو سے یہ سابق مضمون سے مربوط ہے اور دوسرے پہلو سے یہ آگے والی آیت کی تمہید ہے۔

'عَزِيْزٌ' کے ایک معنی غالب و مقتدر کے ہیں۔ اپنے اس مفہوم کے اعتبار سے یہ تہدید کے مضمون کی دلیل ہے کہ جو لوگ قرآن کا انکار کر رہے ہیں وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہ کریں کہ یہ قرآن کسی سائل کی درخواست نہیں ہے بلکہ اس کا بھیجنے والا بھی عزیز یعنی غالب و مقتدر ہے اور یہ کتاب خود بھی عزیز ہے اسی وجہ سے اس کی حیثیت ایک فرمانِ واجب الاذعان کی ہے۔ جو لوگ اس کا انکار کریں گے وہ یہ بات اچھی طرح یاد رکھیں کہ یہ کتاب ان کا فیصلہ کر کے رہے گی۔ یہاں اس سنتِ الٰہی کو ذہن میں رکھیے جو رسولوں سے متعلق جگہ جگہ بیان ہو چکی ہے۔

'عَزِيْزٌ' کے دوسرے معنی 'مَنِيْعٌ' کے ہیں۔ 'مَنِيْعٌ' اس چیز کو کہتے ہیں جو دسترس سے بالاتر ہو۔ اس کی وضاحت، آگے والی آیت میں آ رہی ہے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیے کہ شیاطین جن و انس خواہ کتنا ہی زور لگائیں لیکن وہ اس میں کوئی گڑبڑ پیدا کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ باطل نہ اس کے آگے سے اس میں گھس سکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے۔ اللہ تعالیٰ نے شیاطین کی دراندازی سے اس کو ہر جانب سے بالکل محفوظ بنایا ہے۔ یہ گویا جواب ہوا مخالفین کی اس سعی نامراد کا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ 'وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ' (اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں خلل پیدا کرو تاکہ تم غالب رہو)۔

'لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ'۔ یہ قرآن کی عظمت، اور اس کے شرف، کا ایک جامع بیان ہے جس کے دو پہلو خاص طور پر اہمیت رکھنے والے ہیں۔

ایں خانہ تمام آفتاب است

ایک یہ کہ قرآن اپنے آگے اور پیچھے دونوں طرف سے بالکل محفوظ ہے۔ اس کو اتارنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اس کو لانے والے جبریل امین ہیں، اس کے حامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کو نقل و قبول کرنے والے اس خلق کے پاکیزہ ترین اخیار و صالحین ہیں۔ گویا ابتدا سے لے کر انتہا تک 'ایں خانہ ہمہ آفتاب است'۔ اس میں کہیں بھی شیطان کی دراندازی کے لیے کوئی روزن نہیں ہے، نہ اس کے آغاز کی طرف سے نہ اس کی انتہا کی طرف سے۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا، جیسا کہ 'وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ' کے الفاظ سے واضح ہے، خود اہتمام فرمایا اور یہ قرآن مجید کا وہ امتیاز ہے جو اس سے پہلے نازل ہونے والے صحیفوں کو حاصل نہیں ہوا۔ تورات و انجیل وغیرہ کی حفاظت کی ذمہ داری ان کے حاملین پر ڈالی گئی تھی جو اس کا حق ادا

نہ کرسکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ صحیفے بالکل محرّف ہو کے رہ گئے اور ان کے اندر حق و باطل کا امتیاز ناممکن ہو گیا لیکن قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا اور اس کو قیامت تک کے لیے ہر قسم کی آمیزش سے بالکل محفوظ کر دیا۔

اس حفاظت کے کئی پہلو ہیں:۔

قرآن کی حفاظت کے بعض پہلو

ایک یہ کہ قرآن کے زمانۂ نزول میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کا خاص اہتمام فرمایا کہ قرآن کی وحی میں شیاطین کوئی مداخلت نہ کر سکیں۔ یوں تو اس نظام کائنات میں یہ مستقل اہتمام ہے کہ شیاطین ملأ اعلیٰ کی باتیں نہ سن سکیں لیکن سورۂ جن کی تفسیر میں ہم واضح کریں گے کہ نزولِ قرآن کے زمانہ میں یہ اہتمام خاص طور پر تھا کہ شیاطین وحیِ الٰہی میں کوئی مداخلت نہ کر پائیں تاکہ ان کو قرآن میں اس کے آگے سے (مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ) کچھ گھسانے کا موقع نہ مل سکے۔

دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے اپنے جس فرشتہ کو منتخب کیا اس کی صفت قرآن میں ذِیۡ قُوَّۃٍ، مطاع، قوی، امین اور عند ذی العرش مکین وارد ہوئی ہے۔ یعنی وہ فرشتہ ایسا زور آور ہے کہ ارواحِ خبیثہ اس کو مغلوب نہیں کر سکتیں، وہ تمام فرشتوں کا سردار ہے، وہ کوئی چیز بھول نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو امانت اس کے حوالہ کی جاتی ہے وہ اس کو بالکل ٹھیک ادا کرتا ہے۔ مجال نہیں ہے کہ اس میں زیر و زبر کا بھی فرق واقع ہو سکے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقرب ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے برتر ہے —— ظاہر ہے کہ یہ اہتمام بھی اسی لیے فرمایا گیا کہ قرآن میں اس کے منبع کی طرف سے کسی باطل کے گھسنے کا امکان باقی نہ رہے۔

تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امانت کو اٹھانے کے لیے جس بشر کو منتخب فرمایا اوّل تو وہ ہر پہلو سے خود خیر الخلائق تھا ثانیاً قرآن کو یاد رکھنے اور اس کی حفاظت و ترتیب کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے تنہا اس کے اوپر نہیں ڈالی بلکہ یہ ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ چنانچہ سورۂ قیامہ میں فرمایا ہے: لَا تُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِہٖ ؕ اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَ قُرۡاٰنَہٗ ۚۖ فَاِذَا قَرَاۡنٰہُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ (القیٰمۃ: ۱۶-۱۹) (اور تم اس قرآن کو حاصل کرنے کے لیے اپنی زبان کو تیز نہ چلاؤ، ہمارے اوپر ہے اس کے جمع کرنے اور اس کے سنانے کی ذمہ داری تو جب ہم اس کو سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی کرو، پھر ہمارے ذمہ ہے اس کی وضاحت) روایات سے ثابت ہے کہ جتنا قرآن نازل ہو چکا ہوتا اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقرب صحابہ یاد بھی رکھتے اور ہر رمضان میں حضرت جبریلؑ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مذاکرہ بھی فرماتے رہتے تاکہ کسی سہو و نسیان کا اندیشہ نہ رہے اور یہ مذاکرہ اس ترتیب کے مطابق ہوتا جس ترتیب پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مرتب کرنا پسند فرمایا۔ یہ بھی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنی حیاتِ مبارک کے آخری رمضان

میں یہ مذاکرہ دو مرتبہ فرمایا۔ پھر اسی ترتیب اور اسی قرارت کے مطابق پورا قرآن ضبط تحریر میں لایا گیا اور بعد میں خلفائے راشدینؓ نے اسی کی نقلیں مملکت کے دوسرے شہروں میں بھجوائیں۔ یہ اہتمام پچھلے صحیفوں میں سے کسی کو بھی حاصل نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ تورات کے متعلق تو یہ علم بھی کسی کو نہیں ہے کہ اس کے مختلف صحیفے کس زمانے میں اور کن لوگوں کے ہاتھوں مرتب ہوئے۔

چوتھا یہ کہ قرآن اپنی فصاحتِ الفاظ اور بلاغتِ معنی کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ جس کے سبب سے کسی غیر کا کلام اس کے ساتھ پیوند نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام بھی، باوجودیکہ آپ اس قرآن کے لانے والے اور افصح العرب والعجم ہیں، اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس وجہ سے اس بات کا کوئی امکان نہیں ہے کہ کسی غیر کا کلام اس کے ساتھ مخلوط ہو سکے۔ چنانچہ جن مدعیوں نے قرآن کا جواب پیش کرنے کی جسارت کی ان کی مزخرفات کے نمونے ادب اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ آپ ان کو قرآن کے مقابل میں رکھ کر موازنہ کر لیجیے۔ دونوں میں گہر اور پشیز کا فرق نظر آئے گا — اس طرح گویا پیچھے سے بھی (وَمِنْ خَلْفِہٖ) قرآن میں دراندازی کی راہ مسدود کر دی گئی۔

پانچواں یہ کہ قرآن کی حفاظت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی زبان کی حفاظت کا بھی قیامت تک کے لیے وعدہ فرما لیا۔ دوسرے آسمانی صحیفوں میں تو ان کی اصل زبانیں مٹ جانے کے سبب سے، بے شمار تحریفیں ترجموں کی راہ سے داخل ہو گئیں جن کا سراغ اب ناممکن ہے لیکن قرآن کی اصل زبان محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی اس وجہ سے ترجموں اور تفسیروں کی راہ سے اس میں کسی باطل کے گھسنے کا کوئی امکان نہیں ہے اگر اس میں کسی باطل کو گھسانے کی کوشش کی جائے گی تو اہلِ علم اصل پر پرکھ کر اس کو چھانٹ کر الگ کر سکتے ہیں۔

یہ ہم نے چند نمایاں پہلوؤں کی طرف اشارے کیے ہیں۔ اس کے پہلو بعض اور بھی ہیں لیکن یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ ہمارے لیے یہاں زیادہ تفصیل میں جانے کی گنجائش نہیں ہے۔ ان چند باتوں سے آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کی یہ شان کیوں ہے کہ باطل نہ اس کے آگے سے اس میں راہ پا سکتا اور نہ اس کے پیچھے سے۔

درشتی و نرمی بہم دربرات

تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ۔ لفظ تنزیل کی وضاحت جگہ جگہ ہم کر چکے ہیں کہ اس کے اندر اہتمام اور تدریج کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اس وجہ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ خدائے عزیز و حمید کی طرف سے نہایت اہتمام کے ساتھ اتاری ہوئی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے یہاں دو صفتوں — حکیم اور حمید — کا حوالہ ہے۔ حکیم یعنی جس کی ہر بات اور جس کے ہر کام میں حکمت ہے چنانچہ اس نے یہ حکیمانہ کلام نہایت اہتمام کے ساتھ اتارا ہے۔ حَمِیْد یعنی جو سزاوارِ حمد، ستودہ صفات اور تمام سزاوارِ حمد کاموں کا منبع و سرچشمہ ہے چنانچہ اس نے اپنی اس عظیم نعمت سے اپنی خلق کو محض اپنے جود و کرم سے نوازا۔ اوپر والی آیت میں صفت عَزِیْزٌ کا حوالہ ہے جس میں تنبیہ و تہدید کا پہلو ہے۔ اس آیت میں حکیم و حمید کا حوالہ اپنے اندر

ترغیب کا پہلو رکھتا ہے۔ ع

درشتی و نرمی بہم در بہ است

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّ ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۔ (۴۳)

آنحضرت صلعم کو تسلی

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی ہے کہ یہ نہ گمان کرو کہ یہ خاص تمہاری ہی قوم نے تمہارے ہی ساتھ یہ رویہ اختیار کیا ہے بلکہ جس طرح کی باتیں تمھیں کہی جا رہی ہیں اسی طرح کی باتیں دوسری امتوں کے اشرار اپنے اپنے رسولوں کو کہہ چکے ہیں۔ رسولوں اور ان کی قوموں کی یہ ایک مشترک روایت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تمہاری کسی خامی کا نتیجہ نہیں ہے کہ قوم کے اشرار تمہارے دشمن بن گئے ہیں بلکہ ہمیشہ سے رسولوں کے ساتھ یہی ہوتا آیا ہے تو جس طرح دوسرے اولوالعزم رسولوں نے اپنی قوموں کی ایذا رسانیوں کا صبر کے ساتھ مقابلہ کیا اسی طرح تم بھی صبر کرو۔

اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ۔ یعنی یہ اطمینان رکھو کہ خدا کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔ اگر اللہ ان لوگوں کی تمام تعدّیوں کے باوجود ان کو ڈھیل دے رہا ہے تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے یہاں جزا اور سزا کا کوئی قانون ہی نہیں ہے۔ وہ بڑی مغفرت فرمانے والا بھی ہے اور بڑا دردناک عذاب دینے والا بھی۔ وہ آخری حد تک ڈھیل دیتا ہے تاکہ جو اس کی مغفرت کے سزاوار بننا چاہیں وہ سزاوار بن جائیں لیکن جب اس مہلت سے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے یا غلط فائدہ اٹھاتے ہیں تو ان کو سزا بھی ایسی دردناک دیتا ہے کہ اس طرح کی دردناک سزا کوئی اور نہیں دے سکتا۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ (۴۴)

یہود کا القا کیا ہوا ایک اعتراض اور اس کا جواب

قرآن سے اعراض و فرار کے لیے مخالفین جو بہانے پیدا کرتے تھے ان میں سے بعض کو نقل کر کے ان کی لغویت واضح کی گئی ہے۔ قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اور اس قسم کے بعض دوسرے اعتراضات اصلاً یہود کے القا کیے ہوئے تھے جو بنی اسماعیل کو قرآن کی نعمت سے محروم کرنے کے لیے انھوں نے ایجاد کیے تھے لیکن قریش کے نادان لیڈر، ان کے حسد اور ان کی چالوں سے بے خبر ہونے کے باعث، محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے جوش میں، ان کے القا کیے ہوئے اعتراضات نقل کرنا شروع کر دیتے تھے۔ یہود کے سکھائے ہوئے متعدد اعتراضات جو قریش کے لیڈروں نے اپنا لیے تھے پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکے ہیں اور آگے کی سورتوں میں بھی آئیں گے۔ از آنجملہ ایک اعتراض یہ بھی ان کا تھا کہ وحی کی مخصوص زبان تو اب تک عبرانی رہی ہے جس میں وہ تمام صحیفے نازل ہوئے جن کے آسمانی ہونے کا اقرار قرآن کو بھی ہے

تو اب اللہ میاں نے اپنی زبان کیوں بدل لی اور یہ نئی وحی عربی میں کیوں نازل ہوئی!

قرآن نے اس کا جواب یہ دیا کہ ان لوگوں کا یہ اعتراض محض برائے اعتراض[1] قرآن کی مخالفت کے لیے ایک بہانہ ہے۔ اگر قرآن کسی عجمی زبان میں اترتا تو یہی لوگ یہ اعتراض اٹھاتے کہ اس کی آیتوں کی ہماری اپنی زبان میں اچھی طرح وضاحت کیوں نہیں کی گئی لیکن جب ہم نے اس کو عربی زبان میں اتار کران کے لیے اچھی طرح کھول دیا تو بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان کے شکرگزار ہوتے یہ دشمنوں کا سکھایا ہوا یہ اعتراض لے کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ سابق روایت کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ وحی عربی زبان میں کیوں اتاری! گویا اللہ تعالیٰ کا یہ ایک عظیم احسان ان کے لیے وجہ اعتراض بن گیا!

'ءَاَعْجَمِیٌّ وَّعَرَبِیٌّ' یہ فقرہ ان کے اعتراض ہی کا حصہ ہے کہ اس وقت یہ لوگ یہ بات بناتے کہ پیغام عجمی اور مخاطب عربی!! یعنی یہ کیا بے تکا پن ہے کہ جو لوگ اس کتاب کے سب سے پہلے مخاطب ہیں وہ اس کی زبان سے بالکل نابلد ہیں! ع

زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم

'قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ' فرمایا کہ ان لوگوں کو بتا دو کہ یہ نعمت ان لوگوں کے لیے ہے جو اس کی قدر کریں۔ جو اس پر ایمان نہیں لانا چاہتے وہ تو اس کی مخالفت کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر ہی لیں گے لیکن جن کے اندر ہدایت کی طلب اور جن کو اپنی عقلی و روحانی بیماریوں کا احساس ہے وہ اس کے اندر ہدایت بھی پائیں گے اور اپنے دکھوں کا مداوا بھی۔

'وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى' رہے وہ لوگ جو ایمان نہیں لا رہے ہیں تو ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس کتاب میں کوئی خرابی ہے جس کے سبب سے ان کے دلوں کو یہ اپیل نہیں کر رہی ہے بلکہ فی الواقع انہی کے دلوں کے کان بہرے ہیں۔ قبولِ حق کی صلاحیت ان کے اندر مردہ ہو چکی ہے اس وجہ سے اس کی صدائیں ان کے دلوں پر اثر نہیں کر رہی ہیں بلکہ ان کے کانوں سے ٹکرا کے واپس آ جاتی ہیں۔

'وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى' اسی طرح جو لوگ اس سے راہ یاب نہیں ہو رہے ہیں تو اس کی وجہ بھی یہ نہیں ہے کہ یہ ہدایت کی روشنی نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس روشنی نے ان کی نگاہیں خیرہ کر دی ہیں جس کے سبب سے یہ ان کے لیے رہنمائی کے بجائے اندھے پن کا ذریعہ بن گئی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی آنکھوں کو روشنی کے بجائے تاریکی ہی کا خوگر کر رکھا تھا اس وجہ سے جب یہ آسمانی روشنی نمودار ہوئی تو ان کی نگاہیں اس کی تاب نہ لا سکیں بلکہ ان کی رہی سہی

---

[1] جیسا کہ آیت ۳ میں فرمایا ہے: 'كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ'۔

روشنی بھی سلب ہو گئی۔ اس مقام کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۰ کے تحت ہم جو کچھ لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔

جو قریب سے نہیں سن رہے ہیں وہ دور سے سننے پر مجبور ہوں گے

'اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ' - یعنی ابھی تو ان کو بہت قریب سے پکارا جا رہا ہے، اللہ کا رسول، اللہ کی کتاب اور اس کا پیغام لیے ہوئے، ان کے پیچھے پیچھے پھر رہا ہے لیکن یہ اپنی رعونت کے سبب سے بہرے بنے ہوئے ہیں، گویا کوئی بات سنتے ہی نہیں۔ لیکن یہ یاد رکھیں کہ عنقریب وہ دن بھی آنے والا ہے جب قیامت کا داعی بہت دور سے ان کو پکارے گا اور یہ اس کی پکار سنتے ہی اس کی طرف بھاگیں گے، مجال نہیں کہ ذرا بھی تاخیر یا سرمو انحراف اختیار کر سکیں۔ سورۂ طٰہٰ میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے 'يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا (۱۰۸)' (جس دن پکارنے والے کے پیچھے وہ بھاگیں گے ذرا بھی اس سے انحراف نہ اختیار کر سکیں گے اور رب کی آوازیں خدائے رحمان کے آگے پست ہو لیں گی پس تم سرگوشی کے سوا اور کوئی چیز بھی نہ سنو گے)۔

اس آیت کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اسی سورہ کی آیات ۱-۵ بالخصوص آیت ۵ 'وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ' پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ متکبرین تو بطور رعونت یہ بات کہتے تھے کہ ہمارے دل تمہاری دعوت سے پردے میں ہیں، ہمارے کان بہرے ہیں، ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب حائل ہے لیکن قرآن نے ان کی ایک ایک بات کی تصدیق کر دی اور ساتھ ہی یہ وضاحت بھی فرما دی کہ ان کے بہرے پن، اندھے پن اور ان کے حجاب کی نوعیت کیا ہے اور ان کی ان بیماریوں کا علاج اب کس دن اور کس طرح ہو گا!

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ (۴۵)

یہود کا القا کیا ہوا ایک اور اعتراض اور اس کا جواب

یہ آیت بعینہٖ سورۂ ہود میں بھی گزر چکی ہے، ملاحظہ ہو آیت ۱۱۰۔ وہاں ہم اس کی تفسیر کر چکے ہیں۔ یہ بھی درحقیقت اسی طرح کے اعتراض کا جواب ہے جس طرح کے اعتراض کا جواب اوپر والی آیت میں دیا گیا ہے۔ یہود، یہ اعتراض بھی لوگوں کو سکھاتے تھے کہ جب تورات، اللہ کی کتاب موجود ہے اور اس کا کتاب الٰہی ہونا قرآن کو بھی تسلیم ہے تو آخر ایک نئی کتاب نازل کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟ اس اعتراض کا جواب قرآن نے مختلف پہلوؤں سے دیا جو مختلف سورتوں میں مذکور ہے۔ یہاں یہ جواب دیا ہے کہ یہ تو امر واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی لیکن ساتھ ہی یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اس میں اختلاف اور تناقض پیدا کر دیا گیا۔ 'فَاخْتُلِفَ فِيْهِ' سے مراد یہاں وہ تناقض ہے جو مختلف اسفار تورات میں بہت بھونڈے طور پر پایا جاتا ہے۔ اگر کسی چیز میں محض تاویل کا اختلاف ہو تو اس کا ازالہ

اصل کی مراجعت اور دوسرے شواہد و نظائر سے ممکن ہے لیکن جب اصل ہی میں کھلا ہوا تضاد و تناقض ہو تو پھر اس اختلاف کا ازالہ ناممکن ہے چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ تورات کے مختلف حصوں میں ایک ہی بات اتنے متضاد طریقوں سے بیان ہوئی ہے کہ اصل حقیقت تک پہنچنا نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے۔ ہماری اس کتاب میں تورات کے تضادات کی متعدد مثالیں گزر چکی ہیں۔ یہاں ہم اس کے صرف اس تضادِ بیان کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئیوں سے متعلق تورات میں پایا جاتا ہے۔ اگر یہود نے تحریف کی راہ سے یہ تضادات پیدا کر دیے ہوتے تو ان کو اس حقیقت کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہ پیش آتی کہ تورات کے بعد قرآن کو اللہ تعالیٰ نے کیوں نازل فرمایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دین کی کون سی کمی پوری کرنے کے لیے ہوئی۔ لیکن یہود نے اپنی بدبختی سے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی اور اس طرح انھوں نے صرف اپنی ہی گمراہی کا سامان نہیں کیا بلکہ ایک خلقِ کثیر کی گمراہی کا وبال بھی اپنے سر لیا۔

تورات میں اس طرح کے تضادات کے پیدا ہونے کی وجہ کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں کہ حفاظت کا وہ اہتمام اس کو حاصل نہ ہو سکا جو قرآن کو حاصل ہوا۔ اس پر متعدد بار ایسی آفتیں آئیں کہ پوری تورات ناپید ہو گئی۔ بعد میں جن لوگوں نے اس کو مرتب کیا محض اپنی یادداشت سے مرتب کیا اور یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے مرتب کرنے والے کون اور کن صفات کے لوگ تھے۔ اس کے بعض صحیفے بالکل صیغۂ راز میں رکھے جاتے تھے جن کے مندرجات سے خاص محرمانِ راز کے سوا دوسرے لوگ واقف نہیں ہو سکتے تھے اس لیے کہ ان میں ایسی باتیں تھیں جن کی عام اشاعت علمائے یہود اپنے مصالح کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس طرح کی باتوں میں انھوں نے اپنے حسبِ منشا تحریفات بھی کیں اور وہ اس تحریف میں کامیاب ہو گئے۔ کسی ایسی کتاب میں تناقضات کا پیدا ہو جانا ذرا بھی تعجب انگیز نہیں ہے اور ان تناقضات کا بالکل بدیہی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اصل حقیقت بالکل گم ہو جائے، لوگ اسی تاریکی میں پھر گھر جائیں جس سے نکالنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ روشنی نازل فرمائی تھی اور ان کے درمیان ایسے اختلافات پیدا ہو جائیں جن کے دور کرنے کی کوئی سبیل باقی ہی نہ رہ جائے۔

ایک سخت دھمکی

'وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ'۔ یہ نہایت سخت دھمکی ہے اور چونکہ یہ اعتراض، جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا، یہود کا سکھایا ہوا تھا، اس وجہ سے دھمکی بھی انہی کی طرف اشارہ کر کے دی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود ابھی تک اپنے آپ کو تورات کا حامل سمجھے ہوئے بیٹھے اور اس خبط میں مبتلا ہیں کہ تورات کی بدولت جو امامت و سیادت ان کو حاصل ہوئی تھی وہ بدستور ان کو حاصل ہے اس کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ حالانکہ اللہ کی کتاب کے ساتھ جو ظلم وہ کر چکے ہیں اس کے بعد وہ مستحق تو تھے کہ اللہ کی عدالت اور اس کے عذاب کے ذریعہ سے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر

امّت کے فیصلہ کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اس وجہ سے ان کو مہلت دی گئی لیکن یہ مہلت بہرحال مہلت ہے جو ایک دن پوری ہو جائے گی اور یہ اپنے اس ظلم کا مزا چکھیں گے۔

تورات میں اختلافات کا نتیجہ

وَاِنَّھُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ۔ یہ نتیجہ بیان ہوا ہے اس اختلاف و تناقض کا جو تورات میں پیدا کر دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تورات کی ہر چیز خود اہلِ تورات کی نگاہوں میں مشکوک ہو گئی جس سے حق و باطل کا امتیاز ناممکن ہو گیا۔ ان کے اندر بے شمار فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقے نے جو بات اپنی خواہش کے مطابق پائی اسی کو اپنا دین بنا لیا اور اصل دین ان تناقضات کے اندر گم ہو گیا۔

امام رازیؒ کے نزدیک 'مِنْہُ' میں ضمیر کا مرجع قرآن ہے لیکن میرے نزدیک اس کا مرجع تورات ہی ہے اور اس کے مشکوک ہونے کا پہلو وہی ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

یہ مضمون آگے سورۂ شوریٰ میں بھی آئے گا۔ وہاں اس آیت کے بعض اجمالات کی وضاحت ہو جائے گی۔ الشوریٰ میں یہ مضمون یوں بیان ہوا ہے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَھُمْ ۭ وَلَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی لَّقُضِیَ بَیْنَھُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْرِثُوا الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہُ مُرِیْبٍ (الشوریٰ: ۱۴)	اور یہ لوگ محض باہمی ضدم ضدا کے باعث متفرق ہوئے بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آچکا تھا اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے طے نہ ہو چکی ہوتی، ایک مدتِ معیّن کے لیے تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے اُلجھن میں ڈال دینے والے شک میں مبتلا ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا ۭ وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (۴۶)

مخالفین سے بے پروائی کا اعلان

یہ ان لوگوں سے بے پروائی کا اظہار ہے۔ فرمایا کہ نہ کسی کی نیکی سے خدا کو کوئی نفع پہنچنے والا ہے اور نہ کسی کی بدی سے اس کا کوئی نقصان ہے۔ جو نیکی کرے گا اس کا فائدہ اسی کو حاصل ہو گا اور جو برائی کرے گا اس کا وبال اسی پر آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ جس کے جو اعمال ہوں گے اسی کے ثمرات و نتائج وہ اس کے سامنے رکھ دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو راہِ راست دکھانے کی یہ سرگرمی جو ہے اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ لوگوں کی ہدایت کے بغیر خدا کا کوئی کام اٹکا ہوا ہے بلکہ یہ ساری بھاگ دوڑ لوگوں ہی کی بھلائی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ لوگ خدا کی پکڑ میں آئیں درآنحالیکہ ان پر اچھی طرح حجت تمام نہ ہوئی ہو۔ سورۂ جاثیہ کی آیت ۱۵ میں بھی یہ مضمون بالکل اسی سیاق و سباق میں آیا ہے۔

عربیت کا ایک اسلوب

عربیت کے اس اسلوب کی وضاحت ہم دوسرے محل میں کر چکے ہیں کہ جب مبالغہ پر نفی آئے تو اس سے

مقصود مبالغہ فی النفی ہوتا ہے اس وجہ سے وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ کے معنی ہوں گے: اور تیرا رب بندوں پر ذرا بھی ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

۸۔ آگے کا مضمون ـــ آیات: ۴۷-۵۴

آگے خاتمۂ سورہ کی آیات ہیں جن میں پہلے ان لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے جو عذاب یا قیامت سے اس بنا پر نچنت تھے کہ ان کو اس کا وقت تعین کے ساتھ نہیں بتایا جا رہا ہے۔ ان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ کسی حقیقت کا انکار محض اس بنیاد پر کوئی دانشمندی نہیں ہے کہ اس کے ظہور کا وقت بتایا نہیں جا سکتا۔ کتنی پیش پا افتادہ حقیقتیں ہیں جن کے ظہور کا وقت اگرچہ کسی کو نہیں معلوم لیکن کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کرتا۔

اس کے بعد عذاب کے لیے جلدی مچانے والوں کے حال پر اظہارِ افسوس کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کے تھڑدلے پن کا حال یہ ہے کہ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو توبہ و اصلاح کے لیے جو مہلت دی ہے تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ محض ان پر دھونس جمائی گئی ہے اور عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ اگر ابھی ذرا خدا کی کسی گرفت میں آ جائیں تو اس سے نجات کے لیے لمبی لمبی دعائیں کرتے نہیں تھکیں گے۔

آخر میں قرآن کی تکذیب کے ہولناک انجام سے ڈرایا اور آگاہ فرمایا گیا ہے کہ اس کی صداقت کی جو دلیلیں بیان ہوئی ہیں اگر وہ ان کے لیے کافی نہیں ہیں تو عنقریب اس کی وہ آفاقی و انفسی نشانیاں ظاہر ہوں گی جن کے انکار کی کوئی بھی جرأت نہ کر سکے گا ـــ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمائیے۔

آیات ۴۷-۵۴

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِن ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي قَالُوا آذَنَّاكَ مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ ﴿٤٧﴾ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَظَنُّوا مَا لَهُم مِّن مَّحِيصٍ ﴿٤٨﴾ لَّا يَسْأَمُ الْإِنسَانُ مِن دُعَاءِ الْخَيْرِ وَإِن مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوسٌ قَنُوطٌ ﴿٤٩﴾ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا

مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ
قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ
فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ
غَلِيْظٍ ﴿٥٠﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ
وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿٥١﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ
شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿٥٢﴾ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٥٣﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ
اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿٥٤﴾ ع

ترجمۂ آیات ۴۷ - ۵۴

اور قیامت کے علم کا معاملہ صرف اللہ ہی سے متعلق ہے۔ اور کوئی میوہ اپنے غلاف سے باہر نہیں نکلتا اور نہ کوئی عورت حاملہ ہوتی اور نہ جنتی ہے مگر اسی کے علم سے۔ اور جس دن ان کو پکارے گا کہ میرے شریک کہاں ہیں تو کہیں گے کہ ہم نے تجھ سے عرض کر دیا کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کا گواہ نہیں رہا۔ اور جن کو وہ پہلے پکارتے رہے تھے وہ سب ہوا ہو جائیں گے اور وہ جان لیں گے کہ اب ان کے لیے کوئی مفر باقی نہیں رہا۔ ۴۷ - ۴۸

اور انسان بھلائی کی دعا سے نہیں تھکتا اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم اس کو اپنی رحمت کا مزا چکھا دیتے ہیں

اس تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہوتی ہے تو کہتا ہے یہ تو میرا حق ہی ہے اور میں قیامت کے ہونے کا گمان نہیں رکھتا اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا ہی گیا تو میرے لیے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہے۔ پس ہم ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا ان کے اعمال سے ضرور آگاہ کریں گے اور ان کو ایک سخت عذاب کا مزا لازماً چکھائیں گے۔ ۴۹-۵۰

اور جب ہم انسان پر اپنا فضل کرتے ہیں تو وہ اعراض کرتا اور اپنا پہلو بدل لیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے۔ ۵۱

ان سے کہو، بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ٹھہرے گا جو ایک نہایت دور رس مخالفت میں جا پڑا! ۵۲

ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اندر بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن بالکل حق ہے۔ اور کیا تیرے رب کا ہر بات کا شاہد ہونا کافی نہیں ہے! آگاہ، کہ یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیشی کے باب میں شک میں ہیں! آگاہ، کہ وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے! ۵۳-۵۴

۹۔ الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَاۗءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ (۴۷)

قیامت کا مذاق اڑانے والوں کو جواب

یہ ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہے جو قیامت کے انذار کے جواب میں استہزا کے طور پر یہ سوال کرتے کہ 'مَتٰی ھُوَ' وہ کب نمودار ہوگی؟ اگر اس کو آنا ہے تو وہ آ کیوں نہیں جاتی؟ آخر یہ جہاز چلا تو کہاں رک گیا، وہ ساحل پر کب لنگر انداز ہوگا؟ اس قبیل کے مذاق اڑانے والوں کو قرآن میں جگہ جگہ یہ جواب دیا گیا ہے کہ قیامت کا آنا تو ایک حقیقت ہے۔ اس کائنات اور اس کے خالق

کی صفات کا یہ ایک بدیہی تقاضا ہے۔ آفاق و انفس اور عقل و فطرت اس کے گواہ ہیں۔ اس وجہ سے وہ آئے گی تو ضرور۔ رہا یہ سوال کہ وہ کب آئے گی تو اس کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ سے ہے، وہی جانتا ہے کہ وہ کب آئے گی۔ اس راز سے اس کے سوا کوئی دوسرا واقف نہیں ہے۔

'وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ'۔ اور صرف یہی ایک راز ایسا نہیں ہے جس سے خدا کے سوا کوئی اور واقف نہ ہو بلکہ اور بھی کتنی پیش پا افتادہ حقیقتیں ہیں جن کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم سے ہے۔ انسان کا علم ان کے باب میں نہایت محدود ہے لیکن اس کے باوجود ان کے حقیقت ہونے سے کوئی عاقل انکار نہیں کرتا۔ گندم کا ایک خوشہ نمودار ہوتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ اس کے پکنے کی نوبت آئے گی یا نہیں اور آئے گی تو اس میں کتنے دانے ناقص نکلیں گے، کتنے صحیح، کتنے ضائع جائیں گے، کتنے محفوظ رہیں گے، ان کے پکنے کی ٹھیک تاریخ کیا ہے اور ان میں سے کتنے دانے کسان کے نصیب کے ہیں جو اس کے کھتے تک پہنچیں گے اور کتنے چرند و پرند کی نذر ہو جائیں گے۔ ان ساری باتوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس وجہ سے اگر انسان پر قیامت کے ظہور کا وقت واضح نہیں ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ قیامت تو بہت بڑی چیز ہے، انسان کا حال تو یہ ہے کہ اس کو اپنے سامنے کی روزمرّہ مشاہدہ کی ہوئی چیزوں کی واقفیت بھی بہت تھوڑی ہی ہے۔

'وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى'۔ ایک عورت حاملہ ہوتی ہے۔ کون جانتا ہے کہ یہ لڑکی جنے گی یا لڑکا، ناقص جنے گی یا سالم، مردہ جنے گی یا زندہ اور جنے گی تو کس دن اور کس وقت جنے گی؟ ان باتوں میں سے کسی بات کا بھی صحیح علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔ اگر ایک ایسی عامۃ الورود چیز سے متعلق انسان کا علم اتنا محدود ہے تو اس کو قیامت کے ظہور کا صحیح وقت نہ معلوم ہو سکے یا نہ بتایا گیا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ ہاں اگر وہ یہ دعویٰ کر سکتا کہ بقیہ ساری چیزوں کا علم تو اس کو حاصل ہے، صرف یہی ایک چیز اس کے علم سے باہر رہ گئی ہے تب اس کے لیے یہ جائز ہو سکتا تھا کہ اس کی بنا پر وہ کسی شک یا انکار میں مبتلا ہو۔ یہی مضمون دوسرے مقام میں یوں بیان ہوا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (لقمان: ۳۴)	قیامت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور رحموں کے اندر جو کچھ ہے اس کو جانتا ہے اور کسی جان کو بھی یہ پتہ نہیں کہ کل وہ کیا کمائی کرے گی اور کسی کو بھی یہ خبر نہیں کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا۔ علیم و خبیر صرف اللہ ہی ہے۔

بے بسی کی حالت میں مشرکین کا اعتراف

'وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ'۔ یعنی اگر قیامت سے پہلے پرانی

ان لوگوں کو اپنے مزعومہ شرکاء کے بل پر ہے تو انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ اس دن جب اللہ تعالیٰ ان کو حکم دے گا کہ جن کو تم نے میرا شریک گمان کر رکھا تھا ان کو بلاؤ، وہ میری پکڑ سے تم کو چھڑائیں، تو یہ جواب دیں گے کہ ہم نے عرض کر دیا کہ اب ہم میں سے کوئی بھی اس اعتراف کے لیے تیار نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی بھی تیرا شریک ہے۔ یہ مضمون سابق سورہ — سورۂ مومن — میں بھی گزر چکا ہے۔

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ۝

(المومن: ۷۳-۷۴)

پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے مقابل میں شریک گردانتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ وہ تو سب ہم سے کھوئے گئے بلکہ ہم اس سے پہلے کوئی چیز پوجتے ہی نہیں تھے۔ اس طرح اللہ کافروں کو حواس باختہ کر دے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے جن مزعومہ شریکوں پر ان لوگوں کو ناز ہے ان کی عقیدت کا نشہ پہلی ہی پکار پر ہرن ہو جائے گا۔

بعض اہلِ تاویل نے 'اٰذَنّٰكَ لا مَا مِنَّا مِن شَهِيدٍ' کو ان کے مزعومہ شرکاء کا قول مانا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ مشرکوں سے یہ مطالبہ کرے گا کہ تمھارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم نے میرا شریک گمان کیا تو جن ملائکہ یا انبیاء یا صالحین کی انھوں نے پرستش کی ہوگی وہ سبقت کر کے اپنی صفائی پیش کر دیں گے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس بات کا گواہ بننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ کوئی تیرا شریک ہے۔ یہ تاویل غالباً مندرجہ ذیل آیت کی روشنی میں اختیار کی گئی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ۝

(الفرقان: ۱۷-۱۸)

اور جس دن اللہ ان کو اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے رہے ہیں، اکٹھا کرے گا پس ان سے پوچھے گا کہ کیا تم لوگوں نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا یا یہ خود گمراہ ہوئے؟ وہ جواب دیں گے تو پاک ہے، ہمیں یہ حق حاصل نہیں تھا کہ ہم تیرے سوا کسی کو کارساز بناتے۔ بلکہ ہوا یہ کہ تو نے ان کو اور ان کے آباء و اجداد کو دنیا سے بہرہ مند کیا یہاں تک کہ تیری یاد دہانی یہ فراموش کر بیٹھے اور ہلاک ہونے والے بنے۔

پہلی تاویل اختیار کرنے کی صورت میں لفظ 'اٰذَنّٰكَ' اظہارِ براءت کے مفہوم میں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ اب ہم نے کانوں پر ہاتھ رکھ کے اپنے جرم کا اعتراف کیا اور تجھ سے امیدوار ہیں کہ تو ہم پر رحم فرمائے گا۔

دوسری تاویل لینے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے جواب میں تو وہ بات کہیں گے جو سورۂ فرقان کی محولہ بالا آیت میں مذکور ہے لیکن جب ان کی عبادت کے مدعیوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ مطالبہ ہوگا کہ تم اپنے مزعومہ شرکا کو بلاؤ تو وہ یہ جان کر کہ وہ بلائے جا رہے ہیں اپنے اس قول کا حوالہ دے دیں گے جو وہ پہلے کہہ چکے ہوں گے اور جو الفرقان کی آیت میں مذکور ہے۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَدْعُونَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيصٍ (۴۸)

عابد اپنے اپنے معبودوں سے اظہارِ براءت کریں گے یا معبود اپنے عابدوں سے۔ دونوں ہی صورتوں میں مشرکوں کی نامرادی یقینی ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے جن کے اعتماد پر آخرت کو نظر انداز رکھا وہ سب ہوا ہو جائیں گے اور ان کو یقین ہو جائے گا کہ اب خدا کے عذاب سے ان کے لیے کوئی مفر نہیں ہے۔

لفظ 'ظن' پر اس کے محل میں ہم بحث کر چکے ہیں کہ ان مواقع میں یہ یقین کے مفہوم میں آتا ہے جہاں مقصود مستقبل کی کسی ایسی حقیقت کا بیان ہو جو اگرچہ نادیدہ ہو لیکن متکلم کے نزدیک وہ یقینی ہو۔ مثلاً اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ (الحاقۃ: ۲۰) (مجھے یہ یقین رہا کہ مجھے بہرحال اپنے روزِ حساب سے دوچار ہونا ہے)۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ (۴۹)

انسان کی ایک عجیب کمزوری

لفظ 'انسان' اگرچہ عام ہے لیکن اس سے یہاں مراد وہی منکرین و مستعجلین ہیں جو قیامت کے لیے جلدی مچائے ہوئے تھے کہ اگر اس کو آنا ہے تو آ کیوں نہیں جاتی! ان کو خطاب کر کے یا ان کا حوالہ دے کر کہنے کے بجائے بات بصیغۂ عام کہہ دی گئی ہے تاکہ ان سے بیزاری اور کراہت کا اظہار بھی ہو جائے اور بات ایک کلیہ کی حیثیت بھی حاصل کر لے۔

فرمایا کہ یہ انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ اگر اس کو نعمت و رفاہیت حاصل ہو جائے تو ہمارا شکرگزار ہونے کے بجائے ہمیں چیلنج کرتا اور عذاب کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر ذرا ہماری پکڑ میں آ جائے تو اس سے چھوٹنے کے لیے لمبی لمبی دعائیں مانگتا اور یہ عہد کرتا ہے کہ اگر اس کو اس گرفت سے نجات مل گئی تو وہ ہمیشہ کے لیے ہمارا شکرگزار اور فرمانبردار بندہ بن جائے گا لیکن یہ محض اس کا فریب ہوتا ہے۔ جب ہم اس کو اس مصیبت سے نجات دے دیتے ہیں تو وہ پھر انھی خرمستیوں میں گم ہو جاتا ہے جن میں پہلے مبتلا رہ چکا ہوتا ہے۔ اور اگر ہم اس مصیبت سے نجات نہ دیں یا مصیبت دراز ہو جائے تو بجائے اس کے کہ اللہ کے فیصلہ پر راضی اور صابر رہے بالکل دل شکستہ و بے حوصلہ اور خدا سے مایوس ہو جاتا ہے۔

عام طور پر لوگوں نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ اس طرح کے لوگ اپنی دنیاوی کامیابیوں اور ترقیوں کے لیے دعا کرنے میں بڑے سرگرم ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک 'دعائے خیر' سے مراد یہی دنیوی ترقیوں کی دعا ہے لیکن یہ بات عام تجربہ و مشاہدہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس طرح کے لوگ جب تک ان کا سفینہ رواں دواں

رہتے کبھی خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ اپنے حوصلوں ہی میں مگن اور اپنے ارمانوں ہی میں کھوئے رہتے ہیں۔ البتہ جب کشتی کسی بھنور میں پھنستی ہے تب انھیں خدا یاد آتا ہے اور اس وقت بڑی لمبی لمبی دعائیں خود بھی کرتے اور دوسروں سے بھی کرنے کی درخواست کرتے ہیں۔ اگر کشتی بھنور سے باہر آ گئی تو اس کے باہر آتے ہی ان کو خدا پھر بھول جاتا ہے اور اس چیز کو اپنی تدبیر و حکمت یا اپنی بلند اقبالی کا کرشمہ سمجھنے لگتے ہیں اور اگر مصیبت ذرا دراز ہو گئی تو پھر بالکل مایوس ہو کر ڈگ ڈال دیتے ہیں۔

یہ مضمون قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوا ہے۔ مثلاً سورۂ لقمان میں ہے:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ	اور جب ان کو سائبانوں کی طرح موجیں
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ	ڈھانک لیتی ہیں وہ اللہ کو پکارتے ہیں اسی کی خالص اطاعت
لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا	کا عہد کرتے ہوئے۔ پس جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی
نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ	پر پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے کچھ تو میانہ روی اختیار کرتے
مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ	ہیں (اور زیادہ بدعہدی کرنے والے نکلتے ہیں) اور ہماری
بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ	آیات کا انکار وہی کرتے ہیں جو بالکل عہد شکن اور
كَفُوْرٍ ۝ (لقمان: ۳۲)	ناشکرے ہوتے ہیں۔

سورۂ یونس میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے:

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا	اور جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو ہم کو
لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَاۗىِٕمًا ۚ فَلَمَّا	پکارتا ہے لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے۔ پس جونہی ہم نے
كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ	اس کا دکھ دور کر دیا وہ اس طرح چل دیتا ہے گویا کبھی
يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس: ۱۲)	اپنے کسی دکھ کے ازالہ کے لیے ہم کو پکارا ہی نہیں تھا۔

یہی مضمون اسی سورۂ یونس میں بدیں الفاظ بھی وارد ہوا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ	اور وہی اللہ ہے جو تم کو خشکی اور تری میں سفر کراتا
الْبَحْرِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ	ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ
وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا	ان کو سازگار ہوا کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں اور وہ
بِهَا جَاۗءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ	اس سے مگن ہوتے ہیں، آ جاتی ہے کسی سمت سے تند ہوا
وَّجَاۗءَھُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ	اور ان پر موجیں اٹھنے لگتی ہیں ہر جانب سے۔ اور وہ
مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ	گمان کرنے لگتے ہیں کہ اب وہ ہلاک ہوئے تو اللہ کو پکارتے
دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ	ہیں اسی کی اطاعت کا عہد کرتے ہوئے کہ اگر تو نے ہم کو
الدِّيْنَ ڬ لَىِٕنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ	اس ورطۂ ہلاکت سے نجات بخشی تو ہم تیرے شکر گزار

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ (یونس : ۲۲-۲۳)

بن کے رہیں گے۔ تو جب ان کو نجات دے دی تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگے بلا کسی حق کے۔

ان نظائر کی روشنی میں میرے نزدیک آیت زیر بحث کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کے انسان جب کسی آزمائش میں پڑتے ہیں تب، تو دعائے خیر سے نہیں تھکتے چنانچہ آگے آیت ۵۱ میں اس کی وضاحت بھی فرما دی ہے: 'وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ' (اور جب، اس کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والا بن جاتا ہے)۔

'وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ'۔ یعنی مصیبت کے پہلے مرحلے میں تو لمبی لمبی دعائیں کرتا ہے لیکن جب دیکھتا ہے کہ دعائیں نتیجہ خیز نہیں ہو رہی ہیں تو خدا کی رحمت سے مایوس ہو کر بالکل دل شکستہ اور بے حوصلہ ہو جاتا ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ اس قماش کے لوگ نعمت میں تو خدا کو بھولے رہتے ہیں، صرف مصیبت میں اس کو یاد کرتے ہیں اور مصیبت میں بھی خدا کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت یہ ہے کہ جب مصیبت دور ہو جائے تو اس کو پھر بھول جاتے ہیں اور اگر دور ہوتی نظر نہ آئے تو خدا سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ یہ دونوں صورتیں کفر و ناشکری کی ہیں۔ صحیح مومنانہ کردار یہ ہے کہ آدمی نعمت و رفاہیت کی حالت میں اپنے پروردگار کا شکرگزار رہے اور جب کوئی آزمائش پیش آ جائے تو صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ کرے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار رہے۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نہ نعمت میں اکڑنے والا اور فخر کرنے والا بنے اور نہ مصیبت میں تھڑولا، پست ہمت اور مایوس بلکہ اللہ کے فیصلہ پر راضی و مطمئن رہے۔ یہی ایمان و توکل کی اصلی شان ہے اور ایسے ہی بندے نفس مطمئنہ کی بادشاہی اور راضیۃ مرضیۃ کا مقام پاتے ہیں۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (۵۰)

ایک اور کمزوری

یعنی جس مصیبت سے چھوٹنے کے لیے لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے اگر وہ دور نہیں ہوتی تب تو، جیسا کہ اوپر والی آیت میں ہے، خدا سے مایوس ہو جاتا ہے اور اگر اس کی مصیبت دور کر کے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل سے نوازتا ہے تو اس کا شکرگزار ہونے کے بجائے، اس گھمنڈ میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ تو میرا حق ہی تھا۔ میں اسی عزت و شرف کے ساتھ پیدا ہوا ہوں اور اسی کے اندر جیوں گا۔ مجھے نہ اس سے کوئی محروم کر سکتا اور نہ اس کے لیے مجھے کسی کے شکرگزار ہونے

کی ضرورت ہے۔ رہی قیامت، جس سے بعض لوگ مجھے ڈرا رہے ہیں تو اوّل تو مجھے اس کے ہونے کا گمان نہیں اور بالفرض ہوئی اور مجھے اپنے رب کے پاس جانا ہی پڑا تو وہاں بھی میرا درجہ و مرتبہ ملحوظ رہے گا اور میرا انجام نہایت شاندار ہو گا اس لیے کہ میری دنیا شاندار رہی ہے۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس طرح کے لوگ زبان سے یہ باتیں کہیں (اگرچہ بہتیرے نہایت بے باکی سے یہ کہتے بھی ہیں) بلکہ ذہن کے اندر ان خیالات کا پایا جانا کافی ہے۔ قرآن میں آدمی کی ذہنیت کی تعبیر بھی 'قول' سے کی گئی ہے۔ اس لیے کہ آدمی کا رویہ اس کے باطن کی سب سے زیادہ صحیح غمازی کرتا ہے۔

خیالی جنت میں بسنے والوں کو تنبیہ

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ...... الاٰیۃ: یہ نہایت سخت الفاظ میں ان لوگوں کو تنبیہ ہے جو اس قسم کی جنت الحمقاء میں زندگی گزار رہے ہیں۔ فرمایا کہ یہ احمق لوگ یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ جس طرح دنیا میں ان کو عیش و آرام حاصل ہے اسی طرح آخرت میں بھی (اگر وہ ہوئی) ان کو سب کچھ حاصل ہو گا تو وہ یاد رکھیں کہ آخرت لازمی ہے اور اس میں ہم ان کافروں کو ان کے اعمال سے آگاہ کریں گے۔ "ان کے اعمال سے آگاہ کریں گے" سے مقصود اس کا لازم ہے جس کی وضاحت وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ سے ہو گئی۔ یعنی ان کو ایک عذاب شدید کا مزا چکھائیں گے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ (۵۱)

'نَاٰ بِجَانِبِهٖ' سے وہی مضمون ادا کیا گیا ہے جو دوسرے مقامات میں 'تَوَلّٰی بِرُكْنِهٖ' یا 'ثَانِیَ عِطْفِهٖ' وغیرہ محاورات سے ادا کیا گیا ہے۔ یہ غرور و استکبار سے اعراض کرنے اور منہ پھیرنے کی تعبیر ہے۔ 'جانب' کے معنی پہلو کے ہیں۔ آدمی جب کسی سے غرور کے ساتھ منہ موڑتا ہے تو مونڈھے جھٹک کر اپنا پہلو بدلتا اور وہاں سے چل دیتا ہے۔ اسی حالت کو یہاں 'نَاٰ بِجَانِبِهٖ' سے تعبیر فرمایا ہے۔

تنگ ظرفوں کے کردار کا ایک خاص پہلو

اوپر کی آیات میں اس قبیل کے لوگوں کے کردار کا ایک پہلو پیش کیا گیا ہے۔ اب ان کے اسی کردار کا دوسرا پہلو دکھایا جا رہا ہے کہ ان سفلہ لوگوں (اشارہ قریش اور اہل طائف کے فراعنہ ہی کی طرف ہے) کا حال یہ ہے کہ جب ہم ان پر اپنا انعام کرتے ہیں تو یہ ہم سے اعراض کرتے اور غرور سے اکڑتے ہیں اور اگر ذرا ہماری گرفت میں آ جائیں تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے والے بن جاتے ہیں۔ یعنی ان کے اس طنطنہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ ذرا میں بہک جانے والے اور ذرا ہی میں بلبلا اٹھنے والے ہیں۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ (۵۲)

مکذبین قرآن سے ایک سوال

یہ ان مکذبین سے علیٰ سبیل التنزل ایک سوال فرمایا کہ اس طنطنہ کے ساتھ جو قرآن کا انکار کر رہے ہو تو اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تب کہاں جاؤ گے! اس صورت میں ان لوگوں سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو ایسی دور رس مخاصمت میں مبتلا ہو کر اپنی ہلاکت کی اس منزل کو پہنچ جائیں جہاں سے بازگشت کا کوئی امکان ہی باقی نہ رہ جائے!

قرآن پر سنجیدگی سے غور کرنے کی دعوت

یہ قرآن پر پوری سنجیدگی اور پوری اہمیت کے ساتھ غور کر کے اس کے باب میں کوئی فیصلہ کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن اپنی تکذیب کرنے والوں کو جس انجام سے خبردار کر رہا ہے اور جن دلائل کے ساتھ آگاہ کر رہا ہے وہ ایسی چیز نہیں ہے کہ سہل انگاری سے نظر انداز کر دی جائے یا ہنسی مسخری میں اڑا دی جائے بلکہ بڑے ہی قوی دلائل کی شہادت کے ساتھ یہ بڑے ہی ہولناک انجام کی خبر ہے اس وجہ سے جو لوگ نہایت ڈھٹائی سے اس کو جھٹلا رہے ہیں وہ کم از کم اس کے دعوے کی صحت کے امکان کے پہلو کو نظر انداز نہ کریں۔ اگر وہ اس کی صحت کا امکان محسوس کرتے ہیں (اور کوئی ہٹ دھرم سے ہٹ دھرم بھی اس کے امکان سے انکار نہیں کر سکتا) تو دانشمندی کا تقاضا اور عاقبت بینی کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اس قرآن پر سو بار غور کریں اور جو فیصلہ بھی کریں اس کے نتائج پر دور تک سوچ کر کریں۔ اگر وہ اس کو اختیار کریں گے تو کوئی چیز کھوئیں گے نہیں بلکہ پائیں گے اور سب کچھ پائیں گے اور اگر محض ضد اور مخاصمت کے جنون میں مبتلا ہو کر اس کا انکار کر دیں گے تو یہ مخاصمت ان کو اتنی دور لے جا کر پھینکے گی جہاں سے پھر لوٹنے کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہے گا ـــــ مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ پر اس کی حقیقی اہمیت سامنے رکھ کے غور کرو۔ اگر ضد، انانیت، حسد اور مخاصمت کو اس میں دخیل ہونے دیا گیا تو یہ کشمکش نہایت تباہ کن انجام پر منتہی ہوگی۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (۵۳)

قرآن کی صداقت کے آثار آفاق و انفس میں

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی اور مکذبین قرآن کے لیے تہدید و وعید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ قرآن کو، اس کے دلائل کی بنیاد پر، ماننے کے لیے تیار نہیں بلکہ اس کی تصدیق کے لیے ہماری نشانیاں ہی دیکھنے پر مصر ہیں تو عنقریب وہ وقت بھی آ رہا ہے جب مکہ کے اطراف میں بھی اور خود مکہ میں، قریش کے اندر بھی، اس کی حقانیت کی ایسی نشانیاں ظاہر ہوں گی کہ یہ لوگ پکار اٹھیں گے کہ بے شک قرآن بالکل حق ہے۔

'آیات' سے مراد غلبۂ حق اور ہزیمتِ باطل کے وہ آثار و شواہد ہیں جن کی قرآن نے پیشین گوئی کی ہے۔ یہ پیشین گوئی اس سورہ میں بھی پیچھے تاریخی دلائل کی روشنی میں گزر چکی ہے۔ ابتداءً تو قریش کے لیڈروں نے ان باتوں کو تعلّی پر محمول کر کے ان کا مذاق اڑایا، لیکن جب مدینہ میں اور خود مکہ کے اندر اور اس کے

اطراف میں یہاں تک کہ خود قریش کے اچھے لوگوں کے اندر بھی اسلام جڑ پکڑنے لگا تب ، ان کو اور ان کے پشت پناہوں کو کچھ تنبہ ہوا ۔ بالآخر ہجرت کے بعد غلبۂ اسلام کے ایسے واقعات پیش آئے کہ قریش تو در کنار روم و فارس کے لیے بھی اسلام کے مقابل میں ٹکنا ناممکن ہوگیا ۔ یہ مضمون سورۂ نمل کی آیت ۹۳ میں بھی ہے 'سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا' (اور وہ اس کی نشانیاں تم کو دکھائے گا پس تم ان کو پہچان جاؤ گے)۔

'أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ' ۔ یعنی غلبۂ حق کی جو بشارت تمھیں دی جا رہی ہے اگرچہ مستقبل سے متعلق ہے لیکن تمھارا رب ماضی ، حاضر اور مستقبل کی ہر چیز سے واقف ہے اس وجہ سے مطمئن رہو کہ ان میں سے ہر بات پوری ہو کے رہے گی ۔

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ (۵۴)

یہ آخر میں ان معاندین کی اصل علتِ فساد سے پردہ اٹھایا ہے کہ ان کی اصل بیماری یہ ہے کہ یہ اپنے رب کے حضور پیشی کے باب میں مشتبہ ہیں ۔ ان کے اس اشتباہ نے انھیں زندگی کے معاملات میں ناعاقبت اندیش اور حق کی مخالفت میں دلیر بنا دیا ہے ۔ انھیں اچھی طرح آگاہ کر دو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے ، کوئی چیز بھی اس کے حیطۂ اقتدار سے باہر نہیں ہے ۔ وہ جو کچھ چاہے گا اور جب چاہے گا ، کر ڈالے گا ۔ نہ کوئی اس کے قبضۂ قدرت سے باہر نکل سکتا اور نہ کوئی اس کے کسی ارادے میں مزاحم ہو سکتا ۔

بتوفیقِ ایزدی ان سطور پر اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی ۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ ۔

رحمان آباد
۲۴ ۔ اکتوبر ۱۹۷۵ء
۱۸ ۔ شوال ۱۳۹۵ھ